



رئاسة الشؤون الدينية
بالمسجد الحرام والمسجد النبوي

اردو

أردو

نبذة في العقيدة الإسلامية (شرح أصول إيمان)

اسلامی عقیدہ کا مختصر تعارف (شرح اصول ایمان)



فضيلة الشیخ علامہ
محمد بن صالح العثيمین

ح

جمعية خدمة المحتوى الإسلامي باللغات ، ١٤٤٦ هـ

العثيمين ، محمد

نبذة في العقيدة الإسلامية - أردو. / محمد العثيمين - ط١ . -
الرياض ، ١٤٤٦ هـ

٧١ ص ؛ سم

رقم الإيداع: ١٤٤٦/١٥٣١

ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٨٤٥٢-٨٤-٤

نُبَذَّةٌ فِي الْعَقِيْدَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ (شَرْحُ أُصُولِ الإِيمَانِ)

اسلامی عقیدہ کا مختصر تعارف (شرح اصول ایمان)

بِقَلْمَنْ فَضِيلَةِ الشَّيْخِ العَلَامَةِ

مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحِ الْعُثْمَانِ

عَفَرَ اللَّهُ لَهُ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِلْمُسْلِمِينَ

تألِيف: فضیلۃ الشیخ علامہ

محمد بن صالح العثیمین

اللہ تعالیٰ ان کی، ان کے والدین اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بہر حق نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے آپ پر، آپ کے اہل خانہ اور اولاد پر، آپ کے اصحاب پر، اور بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں پر۔

آما بعد: ”علم توحید“ یقیناً تمام علوم میں انتہائی عالی مرتبت، سب سے جلیل القدر اور حد درجہ مرغوب و مطلوب علم ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء و صفات اور بندوں پر اس کے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور

اس لیے بھی کہ ”علم توحید“ ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے راستے کی چابی اور اس کی تمام شریعتوں کی بنیاد ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ متفقہ طور پر تمام رسولوں نے اسی چیز کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِنَّ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
أَنَا فَأَعْبُدُونِ) (١٥)

”تجھے سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔“ [سورة انبياء: ٢٥]

اللہ تعالیٰ نے خود اپنی وحدانیت کی گواہی دی ہے، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اہل علم حضرات نے بھی اس امر کی گواہی دی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمُ قَائِمًا
بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) (١٦)

”اللہ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب

اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لاکن نہیں۔” [سورہ آل عمران: ۱۸]

توحید کے اس بلند و بالا مقام و مرتبے کی وجہ سے ہر مسلمان پر اس کا سیکھنا، دوسروں کو سکھانا، اس میں تدبر کرنا، اور اس کا عقیدہ رکھنا لازم اور ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے دین کو اطمینان، تسلیم و رضا اور صحیح بنیاد پر استوار کر سکے اور اس کے ثمرات و نتائج سے بہرہ دور ہو سکے۔

واللہ ولی التوفیق

مؤلف

دین اسلام

دین اسلام وہ دین ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس کے ذریعہ سابقہ ادیان کا خاتمہ کیا، اسے اپنے بندوں کے لیے مکمل ترین دین بنایا، اس کے ذریعے ان پر اپنی نعمت کو مکمل فرمایا اور ان کے لیے اسے بطور دین پسند کیا، لہذا اس کے نزدیک اس کے سوا کوئی اور دین مقبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(مَا كَانَ مُحَمَّدُ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٤﴾)

"(لوگو) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا (بخوبی) جانے والا ہے۔" [سورہ احزاب: ۳۰]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(...أَلَيْوَمْ أَكَمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
وَرَضِيَتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيَنًا...)

"...آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھر پور

کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا...” [سورہ
ماندہ: ۳]-

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(إِنَّ الْدِينَ عِنْدَ اللَّهِ الْأَكْلَمُ...)

”بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے...“ [سورہ آل عمران: ۱۹]-

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
الْخَسِيرِينَ ﴿٨٥﴾)

”جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے
گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔“ [سورہ آل عمران: ۸۵]-

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر اپنے اسی دین کو اختیار کرنا فرض قرار دیا ہے،
چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
(فُلْ يَأْتِيَهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا أَلَذِي لَهُ وَمُلْكُ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَمَنْ مُؤْمِنٌ بِاللَّهِ

وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأَمِيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلَمَتِهِ وَأَتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٦﴾

”آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاوے اور اس کے رسول نبی امی پر جو خود بھی اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کروتا کہ تم پداشت پاؤ۔“ [سورہ اعراف: ۱۵۸]-

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصَارَائِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ». ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت کا کوئی بھی شخص چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، اسے میری بعثت کی اطلاع ہوئی ہو اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، تو وہ یقیناً اہل جہنم میں سے ہو گا۔“^(۱)

^(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان بر رسالة نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم را لی جمع الناس و نخ الملل بملته، حدیث نمبر: ۱۵۳۔

دین اسلام پر ایمان: دین اسلام پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بطورِ دین نازل ہوا ہے نہ صرف اس کی تصدیق کی جائے بلکہ (دل سے) اسے قبول کیا جائے اور اس کی پیروی کی جائے۔ اسی لیے ابو طالب رضی اللہ عنہ پر ایمان لانے والوں میں سے نہ ہو سکے، جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کرتے تھے، اور اس بات کی گواہی بھی دیتے تھے کہ یہ دین تمام دنیوں سے بہتر ہے۔

دین اسلام ان تمام مصلحتوں کا ضامن ہے جن کی ضمانت سابقہ ادیان میں موجود تھی۔ اس دین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر زمانہ، ہر جگہ اور ہر امت کے لیے مناسب اور قابل عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحُقْقِ مُصَدِّقاً لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ...)

”اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظت ہے...“ [سورہ مائدہ: ۲۸]

دین اسلام کے ہر دور، ہر جگہ اور ہر امت کے لیے مناسب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس دین پر قائم رہنا کسی بھی زمانہ، مقام اور قوم کی مصلحتوں کے منافی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو ان کے عین مطابق ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ دین ہر دور، ہر جگہ اور ہر قوم کا تابع اور فرمانبردار ہے، جیسا کہ بعض کچھ فہم لوگ سمجھتے ہیں۔

دین اسلام ایک سچا اور برق دین ہے، جو اس کے دامن کو کما حقہ تحام لے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نصرت اور غلبہ کی ضمانت دی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ وَإِلَيْهِ الْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرُهُ عَلَىٰ الْأَدِيُّنَ كُلِّهِٰ وَلَوْ كِرِهُ الْمُشْرِكُونَ ﴿٦﴾)

”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے دیگر تمام مذاہب پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔“ [سورہ صفحہ: ۹]

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

لَيَسْتَ خَلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا أَسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
 وَلَيَمْكِنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي أَرْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ
 أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَسِقُونَ ﴿٦٠﴾

”تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ وعدہ فرمآچکا ہے کہ انھیں ضرور ملک کا خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرمآچکا ہے اور ان کے خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ہٹھرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔“ [سورہ نور: ۵۵].

دین اسلام عقیدہ اور احکام کے اعتبار سے ایک مکمل دین ہے جو کہ مندرجہ ذیل احکامات پر مبنی ہے:

- ۱- اللہ تعالیٰ کی توحید کا حکم دیتا ہے اور شرک سے منع کرتا ہے۔
- ۲- صدق اور راست بازی کا حکم دیتا ہے اور کذب بیانی سے منع کرتا ہے۔

۳۔ عدل کا حکم دیتا ہے اور ظلم و جور سے منع کرتا ہے۔ عدل کا معنی ایک جیسی چیزوں کے درمیان برابری اور باہم اختلاف رکھنے والی چیزوں کے درمیان فرق کرنا ہے۔ لہذا عدل سے مراد مخصوص برابری نہیں جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ دین اسلام صرف برابری کا مذہب ہے کیونکہ مختلف اشیاء کے درمیان برابری واضح ظلم ہے جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں اور نہ ہی ایسا کرنے والا قابل ستائش ہے۔

۴۔ امانت کا حکم دیتا ہے، اور خیانت سے روکتا ہے۔

۵۔ وعدہ پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اور دھوکہ دہی اور بد عہدی سے منع کرتا ہے۔

۶۔ والدین کے ساتھ احسان اور بھلائی کا حکم دیتا ہے اور ان کی نافرمانی سے منع کرتا ہے۔

۷۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلحہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور قطع رحمی سے روکتا ہے۔

۸۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور بد خوبی و بد خواہی

سے منع کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ”اسلام“ جملہ تمام اخلاقِ حسنہ کا حکم دیتا ہے اور تمام بربے اخلاق سے روکتا ہے، ہر اچھے عمل کا حکم دیتا ہے اور تمام بربے اعمال سے روکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَا عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعْظِمُ لَعْلَكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٦﴾)

”بے شک اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور قرابت داروں کو امداد دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشاستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے، وہ خود تصحیح نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔“

[سورہ نحل: ٩٠]

ارکانِ اسلام

ارکانِ اسلام سے مراد وہ پانچ بنیادیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے: ان کا تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں موجود ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اللہ کی توحید پر (اور ایک روایت میں ہے: پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبد برحق نہیں، اور محمد ﷺ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔“ ایک شخص نے ”حج“ کو مقدم اور ”رمضان کے روزوں“ کو مونخر کرتے ہوئے یوں روایت بیان کی: ”الْحَجَّ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ“ تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”یوں نہیں بلکہ: ”صِيَامُ رَمَضَانَ، وَالْحَجَّ“ ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ نے کو اسی ترتیب کے ساتھ فرماتے ہوئے سنा۔^(۱)

۱- اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی گواہی دینا: پختہ اعتقاد کے ساتھ گواہی دینا کہ ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبد برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ کے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۸، صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب: قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم بنی الإسلام علی خس، حدیث نمبر: ۱۶۔

بندے اور اس کے رسول ہیں، تو اس کا معنی یہ ہے: اس گواہی کا مکمل اور یقینی اعتقاد رکھنا اور زبان سے اس گواہی کو ادا کرنا یعنی گواہی دینے والے کی گواہی میں اس قدر پختگی اور یقین مکرم ہونا چاہیے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ اس شہادت میں ایک سے زائد امور کی گواہی شامل ہے، لیکن اسے ایک ہی رکن قرار دیا گیا ہے، اس کی وجہ یا توبیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، اس لیے آپ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہونے کی گواہی دینا شہادت لا الہ الا اللہ کے کمال کا حصہ ہے۔

یا پھر اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں شہادتیں اعمال کی صحت اور ان کی قبولیت کی بنیاد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے بغیر کوئی عمل درست و مقبول نہیں ہو سکتا۔

الہذا معلوم ہوا اخلاص سے لا الہ الا اللہ کی شہادت مکمل ہوتی ہے اور رسول اللہ کی پیروی سے محمد کے بندہ و رسول ہونے کی شہادت مکمل ہوتی ہے۔

اس عظیم شہادت کے ثمرات: دل و جان کو مخلوقوں کی غلامی سے اور انجیاء و رسائل کے علاوہ کسی اور کی اتباع و فرمانبرداری سے آزادی دلانا۔

۲- اقامۃ نماز: یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو مقررہ اوقات میں، ثابت

قدمی اور خاص کیفیات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔

نماز کے ثمرات: شرح صدر، آنکھوں کی ٹھنڈک کا حصول، حیا سوز اور بری عادات سے حفاظت۔

۳- زکوٰۃ کی ادائیگی: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو زکاۃ کے مستحق اموال میں سے واجب مقدار کی ادائیگی سے پوری ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے ثمرات: بری عادات (مثلاً بخل وغیرہ) سے دلوں کی پاکیزگی اور اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں کی تکمیل۔

۴- رمضان کے روزے: یہ بھی ایک عبادت الہی ہے جو ماہِ رمضان کے دنوں میں کھانے پینے کی چیزوں اور دیگر روزہ توڑنے والی چیزوں سے اپنے آپ کو روکنے سے پوری ہوتی ہے۔

روزے کے ثمرات: اللہ عز وجل کی رضاکی طلب میں اپنے نفس کو محبوب چیزوں کو ترک کرنے کا عادی بنانا، اس کے جملہ فوائد میں سے ہے۔

۵- بیت اللہ کا حج: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت ہے جو حج کے شعائر کی ادائیگی کی غرض سے بیت اللہ الحرام کی زیارت سے پوری ہوتی ہے۔

حج کے شرات: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے جہاں تک ہو سکے اپنے دل کو مالی اور جسمانی جد و جہد کا عادی بنانا، چنانچہ ”حج“ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی کی ایک قسم ہے۔

یاد رہے کہ اوپر ہم نے جن ”شرطات“ کا ذکر کیا ہے، ان کا تعلق اسلام کی بنیادی (تعلیمات) سے ہے، اور جو چیزیں ہم ذکر نہیں کر پائے ان میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ایک امت کو پاک و صاف، اللہ تعالیٰ کے دین حق پر ثابت قدم اور مخلوق کے ساتھ عدل و سچائی کا معاملہ کرنے والی اسلامی امت بن دیتی ہیں۔ کیونکہ ان کے علاوہ جو بھی شرائع اسلام ہیں ان کی درستی بھی انھی بنیادوں پر منحصر ہے۔ کسی امت کے حالات اس کے دینی امور کی درستی سے ہی ٹھیک ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس امت کے دینی معاملات میں جس قدر بگاڑ موجود ہو گا، اسی قدر اس کے احوال میں کمی و بگاڑ پایا جائے گا۔

جو شخص اس بات کی وضاحت چاہتا ہو، اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پڑھ لے:

(وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ ءَامَنُوا وَأَتَقْوَا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكُسِّبُونَ) ٦٦

أَفَمِنْ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيْتًا وَهُمْ نَاءِمُونَ ﴿٦٧﴾
 أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضَحَىٰ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٦٨﴾
 أَفَمِنُوا مَكْرَهٍ
 اللَّهُ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَهٍ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَسِرُونَ ﴿٦٩﴾

”اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پر ہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹالیا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آپڑے جس وقت وہ سوتے ہوں۔ اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جس وقت کہ وہ اپنے کھلیوں میں مشغول ہوں۔ کیا پس وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سوال اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔“ [سورہ اعراف: ۹۶-۹۹]

اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس میں عقل و خرد والوں کے لیے عبرت اور جن کے دلوں پر پردے نہیں پڑے ہوئے ہیں، ان کے لیے بصیرت کا بہت سامان موجود ہے۔ واللہ المستعان。

اسلامی عقیدے کی بنیاد

”دین اسلام“ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ”عقیدہ اور شریعت“ کا نام ہے اور گز شستہ صفات میں ہم نے دین اسلام کے بعض احکام کی طرف اشارہ کیا اور اس کے بنیادی اركان کا ذکر کیا۔ اب ہم ”اسلامی عقیدہ“ کا ذکر کریں گے۔

”اسلامی عقیدہ“ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان جیسی بنیادوں پر قائم ہے۔

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں ان بنیادوں کے دلائل موجود ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(لَيْسَ الْبَرَّ أَنْ تُولُوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَا كَيْنَ الْبَرَّ مَنْ ظَاهَرَ إِيمَانَهُ وَالْيَوْمَ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالْكِتَابُ وَالثَّبِيْكَنَ...)

”ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور

نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو...“ [سورہ بقرۃ: ۷۷]، اور تقدیر کے متعلق ارشاد ہے:

(إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ ۝ كَلْمَجٌ
بِالْبَصَرِ ۝)

”بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔ اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔“ [سورہ قمر: ۳۹-۵۰]۔ احادیث میں موجود ہے کہ نبی ﷺ نے ایمان کے متعلق جبریل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی و بُری تقدیر پر ایمان لائے۔“^(۱)

اللہ تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان چار اصولوں پر مشتمل ہے:

پہلا اصول: وجود باری تعالیٰ پر ایمان:

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۸، اور سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، حدیث نمبر: ۲۶۹۵۔

اللہ تعالیٰ کے وجود پر عقل، فطرت، حس اور شریعت سبھی چیزیں دلالت کرتی ہیں۔

وجود باری تعالیٰ کے فطری دلائل: چونکہ ہر مخلوق کا اپنے خالق پر ایمان کی حالت میں پیدا ہونا ایک ایسا فطری و صفت ہے جو غور و فکر اور علم کے بغیر اس کی جگہت میں داخل ہوتا ہے، لہذا وہ اس فطرت کے تقاضے سے ہرگز نہیں پھرتا الایہ کہ کوئی اس کے دل پر ایسے نقوش بٹھادے جو اسے اس فطرت سے پھیر دیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہے: ”ہرچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوہ سی بنا دیتے ہیں۔“^(۱)

۲- وجود باری تعالیٰ کے عقلی دلائل: تمام مخلوقات سے پہلے خالق اور موجود کا ہونا از حد ضروری ہے کیونکہ کسی چیز کا از خود اتفاقی یا حادثاتی طور پر وجود میں آجانا قطعاً ناممکن ہے۔

کسی نفس کا از خود وجود میں آجانا اس لیے ناممکن ہے کہ کوئی چیز خود کو پیدا

^(۱) صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات، حل يصلی علیہ، و حل يعرض على الصبي الإسلام، حدیث نمبر: ۱۲۹۲، صحیح مسلم: کتاب القدر، باب معنی كل مولود يولد على الفطرة، و حكم موت أطفال الكفار وأطفال المسلمين، حدیث نمبر: ۲۶۵۸۔

نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اپنے وجود سے پہلے معدوم ہوتی ہے، چنانچہ جو چیز معدوم ہو وہ خالق کس طرح ہو سکتی ہے؟

اسی طرح کسی چیز کا اتفاقیہ یا حادثاتی طور پر وجود میں آنا بھی ناممکن ہے کیونکہ ہر حادث (یعنی نئی چیز) کے لیے کسی محدث (یعنی وجود بخشنے والے) کا ہونا لازمی ہے۔ اس لیے بھی کہ بے مثال نظام، مناسب و ہم آہنگ ترتیب، اسباب و مسیبات اور کائنات کی تمام چیزوں کے درمیان مضبوط باہمی تعلق و ارتباط کے ساتھ اس حادث کا وجود قطعی طور پر اس بات کی نفی کرتا ہے کہ اس کا وجود ایک حادثہ یا اتفاق ہے۔ اگر موجودات اپنے وجود کی اصل میں کسی نظام کی پابند نہیں بلکہ محض اتفاق کا نتیجہ ہو تو اب تک ان کی بقا اور ارتقاء کیوں کر باقاعدہ اور منظم ہوتی؟

جب ان مخلوقات کا از خود یا محض اتفاقیہ اور حادثاتی طور پر پیدا ہو جانا ناممکن ہے تو یہ چیز ثابت ہو گئی کہ ان سب چیزوں کا کوئی موجود ضرور ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عقلی اور قطعی دلیل کا تذکرہ ”سورہ طور“ میں یوں فرمایا

ہے:

(أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾)

”کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟“ [سورہ طور: ۳۵]

یعنی وہ بغیر خالق کے پیدا نہیں ہوئے، اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو پیدا کیا ہے، تو ثابت ہوا کہ ضرور ان کا کوئی خالق ہے، اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو ”سورہ الطور“ کی ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے سنا:

(أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا
الْسَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَبْلًا لَا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمْ حَزَانٌ رَّبِّكَ أَمْ
هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾)

”کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ کیا انہوں نے ہی آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں۔ یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟ یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں؟“ [سورہ طور: ۳۵-۳۷]

تو اس وقت حالت شرک میں ہونے کے باوجود وہ بے ساختہ بول اُٹھے:

”میرا دل اڑ سا گیا، اور یہ پہلی بار تھا جب ایمان نے میرے دل میں گھر کر لیا تھا۔“^(۱)

مزید وضاحت کے لیے ہم یہاں ایک مثال پیش کرتے ہیں: اگر کوئی شخص آپ کو کسی ایسے مضبوط اور بلند وبالا محل کے متعلق بتائے جس میں چاروں طرف باغات ہوں، اور ان کے درمیان نہریں جاری ہوں، تخت پوشوں، نرم و نازک بچھونوں سے پر اور ہر قسم کی تزئین و آرائش سے آراستہ و پیراستہ ہو، اور اس کے متعلق یہ بتائے کہ یہ محل اور جو کچھ اس میں موجود ہے بغیر کسی موجود کے خود بخود وجود میں آگیا ہے تو آپ نہ صرف اس کا انکار کریں گے اور اسے جھٹلا دیں گے بلکہ اس کی بات کو کسی بے عقل کا قول قرار دیں گے۔ کیا اس مثال کے بعد بھی اس بات کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے کہ یہ وسیع کائنات اور اس میں موجود زمین و آسمان، فلک و ستارے، کائنات کا روشن اور بے مثال نظام بغیر کسی موجود کے از خود یا محض اتفاق یا حادثہ کی بنا پر وجود میں آگئے ہوں؟

(۱) صحیح بخاری، سورۃ الطور، حدیث نمبر: ۳۸۵۳۔

(۳) وجود باری تعالیٰ کے شرعی دلائل: بلاشبہ تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر شاہد ہیں اور مخلوق کی مصلحتوں کے ضمن میں جو احکام ان کتب سماویہ میں وارد ہیں، وہ تمام اس بات کی دلیل ہیں کہ بلاشبہ یہ کتابیں ایک نہایت حکیم اور اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو خوب جانے والے رب کی طرف سے ہیں۔ ان آسمانی کتابوں میں وارد جن تکونی باتوں کی امر واقع نے تصدیق کی ہے وہ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ بلاشبہ یہ تمام چیزیں ایک ایسے رب کی طرف سے ہیں جو ان تمام چیزوں کو وجود بخشنے پر پوری قدرت رکھتا ہے جن کے بارے میں اس نے خبر دی ہے۔

۴۔ وجود باری تعالیٰ کے حسی دلائل، حسی دلائل دو قسم کے ہیں:

(اول) ہم دعا کرنے والوں کی دعاؤں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھتے اور سنتے ہیں، اسی طرح انتہائی دکھ اور تکلیف میں مبتلا لوگوں کی فریاد رسی بھی ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ چیزیں قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلٍ فَأَسْتَجَبْنَا لَهُ و...)

”نوح کے اس وقت کو یاد کیجیے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی، ہم نے اس

کی دعا قبول فرمائی...“ [سورہ انبیاء: ۲۷]۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

(إِذْ تَسْتَغْيِثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجِابَ لَكُمْ...)

”اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمھاری سن لی...“ [سورہ انفال: ۹]

صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ”جمعہ کے دن ایک اعرابی اس وقت (مسجد نبوی میں) داخل ہوئے جب نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! (بارش نہ ہونے کی وجہ سے) تمام مال و متعہ تباہ ہو گی اور اہل و عیال بھوکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے (بارش کی) دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔ چنانچہ چاروں طرف سے پہاڑوں کے مانند بادل امڈ آئے، آپ اپنے منبر سے نیچے بھی نہ اتر پائے تھے کہ میں نے بارش کی بوندیں آپ کی داڑھی مبارک پر پڑتی دیکھی۔“^(۱)

دوسرے جمعہ میں وہی یا کوئی دوسرے اعرابی کھڑا ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (بارش کی کثرت سے) ہمارے گھر منہدم ہو گئے ہیں اور

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، حدیث نمبر: ۸۹۱۔

مال و متع (پانی میں) غرق ہو گیا ہے، لہذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے (بارش تھمنے) کی دعا فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک اٹھائے اور یہ دعا فرمائی: «اللَّهُمَّ حَوْا إِنَا وَلَا عَلَيْنَا» ”اے اللہ! ہمارے ارد گرد نازل فرما، ہم پر نہ برسا۔“ پھر آپ نے جوں ہی ادھر ادھر اطراف میں اشارہ فرمایا، بادلوں میں شکاف پڑ گیا اور وہ فوراً چھٹ گئے۔^(۱)

دعاؤں کی مقبولیت کا سلسلہ امر مشاہد ہے یہ کبھی بند نہیں ہوا، بلکہ جو لوگ صدق دلی اور قبولیت کی شرائط کے ساتھ اللہ سے التجاکرتے ہیں ان کے لیے دعاوں کی قبولیت کا یہ سلسلہ آج بھی اسی طرح قائم ہے۔

(دوم) بہت سے لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی نشانیوں (جنہیں مجذرات کہا جاتا ہے) کا خود مشاہدہ کیا یا (معتبر ذرائع سے) ان کے بارے میں سنائے۔ یہ مجذرات ان رسولوں کے بھینے والے اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجود کی قطعی دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز یہ حلق انسانی قوت فہم سے بالاتر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی تائید و نصرت کے لیے جاری فرمایا تھا۔

^(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الاستقاء في الخطبة يوم الجمعة، حدیث نمبر: ۸۹۱، صحیح مسلم، کتاب صلاة الاستقاء، باب الدعاء في الاستقاء، حدیث نمبر: ۸۹۷۔

اس کی مثال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ مججزہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں سمندر پر اپنی لائٹھی مارنے کا حکم فرمایا تو جو نبی موسیٰ علیہ السلام نے فرمانِ الٰہی کی تعمیل کی، سمندر میں بارہ خشک راستے پھٹ گئے، اور ان راستوں کے درمیان پانی پہاڑوں کے مانند کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فُرُوقٍ كَالْطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٣﴾)

”ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنا عصا مارو، پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا“ [سورہ شعراء: ۲۳]

دوسری مثال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھیں قبروں سے باہر نکالنے کا مججزہ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{...وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ...}

”... اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے...“ [سورہ آل عمران: ۲۹]۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

{...وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِنِي...}

”... اور جب کہ تم مُردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے...“ [سورة مائدہ: ۱۱۰]۔

تیری مثال: جب قریش نے آپ سے مجھزے کا مطالبہ کیا تو آپ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، اور وہ دو حصوں میں بٹ گیا اور تمام لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(أَقْتَرَبَتِ الْسَّاعَةُ وَأَنْشَقَ الْقَمَرُ ① وَإِنْ يَرَوْا إِعْلَيَّهُ يُعَرِّضُوا
وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌ ②)

”قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ یہ اگر کوئی مجھزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے“ [سورہ قمر: ۲-۱]۔

یہ سارے حصی مجھرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے رسولوں کی تائید و نصرت کے لیے جاری فرمایا تھا، جو قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔

دوسرے اصول: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان: یعنی (اس بات پر ایمان) کہ وہ اکیلا اور تن تہبا پروردگار ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ مددگار۔

رب سے مراد وہ ہستی ہے جو پوری مخلوق اور بادشاہی کی مالک ہو، اور حکم بھی صرف اسی کا چلتا ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی دوسرا خالق ہے، نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مالک ہے، اور نہ ہی اس کے سوا کوئی دوسرا حاکم ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿...أَلَا لَهُ الْخُلُقُ وَالْأَمْرُ...﴾

”۔۔۔ یاد رکھو، اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔۔۔“

[سورہ اعراف: ۵۲]۔ اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

﴿...ذَلِكُمْ أَلَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمَيِنِ﴾

”...یہی ہے اللہ تم سب کا پانے والا، اُسی کی سلطنت ہے۔ جنھیں تم اس کے سوا پا کر رہے ہو، وہ تو کھجور کی گھٹلی کے چپکلے کے بھی مالک نہیں۔“ [سورہ فاطر: ۱۳]۔

مخلوق میں سے کسی نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار نہیں کیا، سوائے ان لوگوں کے جن کو تکبر کا عارضہ لاحق ہو گیا لیکن وہ بھی جو کچھ کہنے تھے خود اس کا عقیدہ نہ رکھتے تھے، جیسا کہ فرعون کے اس خطاب سے ظاہر ہے جو اس

نے اپنی قوم سے کیا تھا:

(فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعُلَىٰ ﴿٤٤﴾)

”کہ تمہارا سب سے بڑا رب میں ہی ہوں۔“ [سورہ نازعات: ۲۳]، اور

ایک مقام پر کہا:

(...يَأَيُّهَا الْمَلَائِكَةُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي...)

”--- اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبد نہیں جانتا۔---“

[سورہ قصص: ۳۸]، لیکن فرعون کا یہ دعویٰ عقیدہ کی بنیاد پر نہیں تھا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(وَجَحَدُوا بِهَا وَأَسْتَيْقَنُتُهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا...)

”صرف ظلم اور تکبر کی بنیاد پر انہوں نے انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔۔۔“ [سورہ نمل: ۱۲]۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے جو کچھ کہا تھا قرآن کریم میں اس کی حکایت یوں ذکر ہوئی ہے:
(...لَقَدْ عِلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
بَصَارَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَنْفِرُ عَوْنُ مَثْبُورًا)

”--- یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان و زمین کے پروردگار ہی نے یہ

مجھے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں، اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک زدہ ہے۔” [سورہ اسراء: ۱۰۲]، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکین عرب بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شرک کے باوجود اس کی ”ربوبیت“ کا اقرار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(فُلِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ^۱
فُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ فُلْ مَنْ رَبُّ الْسَّمَاوَاتِ الْسَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلْكُوتُ
كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُحِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُولُونَ
لِلَّهِ قُلْ فَإِنِّي سُحْرُونَ ﴿٨٩﴾)

”پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلو! اگر جانتے ہو؟ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ دریافت کیجیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے: پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلو!؟ یہی

جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے: پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟” [سورہ مومون: ۸۲-۸۹]۔

اور ایک جگہ یوں ارشاد ہے:

(وَلَئِنْ سَأَلْتُهُمْ مَنْ خَلَقَ الْسَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقُهُنَّ
الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٩﴾)

”اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا کہ انھیں غالب و دانا (اللہ) ہی نے پیدا کیا ہے۔“ [سورہ زخرف: ۹]۔

ایک اور جگہ اللہ پاک نے فرمایا:

(وَلَئِنْ سَأَلْتُهُمْ مَنْ خَلَقُهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَإِنَّ يُؤْفَكُونَ ﴿۱۰﴾)

”اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں اللہ جاتے ہیں؟“ [سورہ زخرف: ۱۰]۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا امر (حکم)، امر کوئی و شرعی پر مشتمل ہے، جس طرح وہ کائنات کا مدبر ہے جو اپنی بہترین حکمتِ عملی کے تقاضے کے مطابق جو کچھ چاہتا ہے

اس کا فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح وہ اس کائنات کا حاکم بھی ہے، چنانچہ عبادت، احکام اور معاملات میں اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق شریعت کے احکام نافذ فرماتا ہے۔ لہذا جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریعت ساز، یا معاملات میں حاکم بنالے وہ مشرک ہے اور اس کا ایمان غیر معتبر ہے۔

تیسرا اصول: اللہ تعالیٰ کی ”الوہیت“ پر ایمان: یعنی صرف وہی تہبا حقیقی معبود ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اور ”اله“ بمعنی ”ما وہ“، یعنی ”معبود“ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ ہستی ہے جس کی محبت اور تعظیم کے ساتھ عبادت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(وَإِلَهُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهٌ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٦﴾)

”تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ بہتر حم کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔“ [سورہ بقرۃ: ۱۶۳]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ أَنَّهُ وَلَا إِلَهٌ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهٌ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾)

”اللہ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی

معبد نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔” [سورہ آل عمران: ۱۸]۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کسی کو معبد سمجھ کر پوجا گیا، اس کی الوہیت غلط اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ذَلِكَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحُقُوقُ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَطِلُ
وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٦﴾)

”یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوچے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ ہی بلندی والا، کبیریٰ والا ہے“ [سورہ حج: ۶۲]۔ اگر کوئی شخص کسی کو ”الہ“ یا ”معبد“ پکارنے لگے تو اس سے اس کو ”حق الوہیت“ حاصل نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ ”لات“، ”عزی“ اور ”مناۃ“ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَإِبْرَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا
مِنْ سُلْطَانٍ...)

”درالصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتنا ری---۔“ [سورہ نجم: ۲۳]۔

اور اللہ کا ارشاد ہے کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

(...أَتْجَدِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَيَّتُوهَا أَنْتُمْ وَعَابَأُوكُمْ مَا نَزَّلَ
اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ...)

”کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرایا ہے؟ ان کے معبدوں ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی۔۔۔“ [سورہ اعراف: ۱۷]

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کے اپنے دونوں ساتھیوں سے جو فرمایا تھا وہ قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:

(يَصَحِّبِي الْسِّجْنُ إَرْبَابٌ مُّتَقْرِّقُونَ حَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ﴿٢٩﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَيَّتُوهَا أَنْتُمْ
وَعَابَأُوكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ...)

”اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقتوں؟ اس کے سواتم جن کی پوچاپاٹ کر رہے ہو، وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھٹر لیے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں فرمائی۔۔۔“ [سورہ یوسف: ۳۹-۴۰]

اسی لیے تمام پیغمبر علیہم السلام اپنی اپنی قوم سے یہی کہتے رہے:

(...أَعْبُدُواً اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ...)

”... تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمھارا معبود ہونے کے قابل نہیں ...“ [سورہ اعراف: ۵۹]۔ لیکن مشرکین نے اس حقیقت سے انکار کیا اور اللہ کے علاوہ کچھ دوسرے الہ (معبد) بنانے کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی پرستش کرنے لگے اور (بوقت ضرورت) ان سے مدد کے طالب ہوتے اور انہیں سے استغاثہ و فریاد کیا کرتے تھے۔

بشرکین کی طرف سے انھیں معبود بنالینے کا رد اللہ تعالیٰ نے دو عقلی دلیلوں سے فرمایا ہے:

پہلی دلیل: جن کو لوگوں نے معبود بنارکھا ہے ان میں ”الوهیت“ کی صفات نہیں پائی جاتیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، کسی بھی چیز کو پیدا کرنا ان کے بس میں نہیں، وہ اپنی پرستش کرنے والوں کو نہ کوئی نفع پہنچاسکتے ہیں اور نہ ان سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں، نہ وہ ان کے لیے زندگی کے مالک ہیں اور نہ موت کے، نہ آسمانوں کی کوئی چیزان کی ملکیت میں ہے اور نہ وہ اس میں شریک ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(وَأَنْتَخَدُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا
يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا
نُشُورًا) ﴿٣﴾

”ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبدوں ٹھہر ارکھا ہے وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کرنے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے مالک ہیں۔“ [سورہ فرقان: ۳]۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(قُلْ أَذْعُوا الَّذِينَ زَعَمُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شُرُكٍ وَمَا لَهُ وَمِنْهُمْ
مِنْ ظَاهِيرٍ ﴿٦﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذْنَ لَهُ وَ...)

”کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے۔ (سب) کو پکار لو، نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرے کا اختیار ہے نہ اُن کا اُن میں کوئی حصہ ہے، نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے، شفاعت بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے۔۔۔“ [سورہ سبا: ۲۲-۲۳]

(أَيُّشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ ﴿١١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ
لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٢﴾)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کیا وہ ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ وہ نہ تو ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔“ [سورہ اعراف: ۱۹۲-۱۹۱]

جب ان معبدوں (باطلہ) کا یہ حال ہے تو پھر ان کو حقیقی معبد بنالیں۔ بہت بڑا فریب اور پر لے درجہ کی بے وقوفی ہے۔

دوسری دلیل: ان مشرکین کو بھی اس بات کا یقین اور اقرار تھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلارب اور خالق ہے، اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے، وہ پناہ دیتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، غرض یہ کہ کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہے۔ نیز اس میں ”ربوبیت کی یکتنای“ کی طرح اس کی ”الوہیت کی یکتنای“ بھی شامل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(يَأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الْثَّمَرَاتِ رِزْقًا

لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تحسیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمھارا چاہا ہے۔ جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھپت بنا دیا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پہل پیدا کر کے تحسیں روزی دی، خبردار باوجود جانے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔“

[سورہ بقرۃ: ۲۱-۲۲]

اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

(وَلِئِنْ سَأَلْتُهُمْ مَنْ خَلَقُهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَإِنَّ يُؤْفَكُونَ ﴿٦٧﴾)

”اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں اللہ جاتے ہیں؟“ [سورہ زخرف:

-[۸۷]

نیز فرمایا:

(فُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْنَ يَمْلِكُ الْسَّمْعَ وَالْأَبْصَرَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيَّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقْلُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٨﴾ فَذَلِكُمُ اللَّهُ

رَبُّكُمْ الْحُقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحُقُّ إِلَّا الْضَّلَلُ فَأَنَّى تُضَرِّفُونَ ﴿٢٦﴾

"آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ "اللہ"۔ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ سو یہ ہے اللہ جو تمھارا حیقی رب ہے، پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز مگر اسی کے، پھر کہاں پھیرے جاتے ہو؟" [سورہ یونس: ۳۱-۳۲]۔

چوتھا اصول: اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر ایمان

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے خود اپنی کتاب، یا اپنے رسول ﷺ کی سنت میں جن اسماء و صفات کا اثبات فرمایا ہے، ان کی تحریف و تعطیل اور تکییف و تمثیل کے بغیر جس طرح اس کی ذات کے شایان شان ہے، اسی طرح ان کا اثبات کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَإِلَهٌ أَلَّا سَمَاءُ الْخَسْنَىٰ فَأَدْعُوهُ بِهَاٰ وَدَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٨﴾)

”اور اللہ کے اچھے نام ہیں، سو تم اللہ کو انھی ناموں کے ساتھ پکارو، اور ایسے لوگوں سے تعلق ہی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کیے کی ضرور سزا ملے گی۔“ [سورہ اعراف: ۱۸۰]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(...وَلَهُ الْمَثُلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ)

”....اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا ہے۔“ [سورہ روم: ۲۷]۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(...لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ)

”...اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔“ [سورہ شوریٰ: ۱۱]۔

اس مسئلے میں دو گروہ گمراہی کا شکار ہوئے ہیں:

پہلا گروہ (معظلمہ) کا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، یا ان میں سے بعض کے منکر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان اسماء و صفات کو ثابت کرنے سے تشبیہ لازم آتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ بنادیتی ہے۔ لیکن یہ دعویٰ درج ذیل وجوہات کی بنی پر بالکل لغو اور باطل ہے:

پہلی وجہ: یہ دعویٰ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام میں باہمی تضاد جیسے جھوٹے الزامات پر مشتمل ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ان اسماء و صفات کا اثبات کرنے کے ساتھ ساتھ کسی چیز کے اللہ کے ہم مثل ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ لہذا اگر یہ مان لیا جائے کہ ان اسماء و صفات کو ثابت کرنے سے تشیبہ لازم آتی ہے تو اس سے کلام اللہ میں تضاد اور بعض آیات کی بعض سے تردید و تنذیب لازم آتی ہے۔

دوسری وجہ: اسم یا صفت میں سے کسی بھی دو چیز کے اتفاق سے ان کا باہم ایک جیسا ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ دو شخصوں کے درمیان اس لحاظ سے اتفاق پایا جاتا ہے کہ وہ دونوں انسان ہیں، سنتے، دیکھتے اور بولتے ہیں لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ انسانی مزاج، یا سنتے، دیکھنے اور بولنے کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ کلی کیسانیت اور موافقت رکھتے ہوں۔

اسی طرح جانوروں کی مثال لے لیجیے، ان کے پاس ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں ہوتی ہیں، لیکن ان کے اس اتفاق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں حقیقت میں ایک جیسی ہوں۔

چنانچہ جب مخلوقات کے درمیان اسماء و صفات میں اتفاق کے باوجود بھی اختلاف واضح ہے، تو خالق و مخلوق کے درمیان اختلاف تو اس سے کہیں زیادہ واضح اور بڑا ہوا۔

دوسرا گروہ (مشتبہ) کا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا اثبات تو کرتے ہیں لیکن اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں، ان کا گمان ہے کہ یہی نصوص کی دلالت کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اسی طرح مخاطب ہوتا ہے جس طرح کہ وہ سمجھ سکیں۔ لیکن یہ گمان بھی مندرجہ ذیل وجوہات کی وجہ سے باطل و بے بنیاد ہے:

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ مشابہت ایک ایسا امر ہے جو عقل و شریعت دونوں کے رو سے یکسر باطل اور مردود ہے جب کہ یہ بات قطعاً ناممکن ہے کہ کتاب و سنت کی دلالت اور تقاضا غلط اور باطل ہو۔

دوسری وجہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اسی طرح خطاب فرمایا ہے جس طرح کہ وہ اسے اصل معنی کی حیثیت سے سمجھتے ہیں، لیکن اس کے خطاب کے معانی کا جو حصہ اس کی ذات یا صفات سے متعلق ہے، اس کی حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے "سمع" ہونے کا اثبات فرمایا ہے تو "سمع" اپنے اصل معنی کے اعتبار سے تو معلوم ہے (یعنی آوازوں کا ادراک) لیکن اللہ تعالیٰ کی "سماعت" کی نسبت سے اس کے "سمع" ہونے کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہے۔ "سمع" کی حقیقت چونکہ مخلوقات میں بھی مختلف ہوتی ہے، لہذا خالق و مخلوق کے درمیان اس کا مختلف ہونا اور بھی زیادہ واضح اور بڑا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اگر اپنے متعلق اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے تو "استوا" اپنے اصل معنی کے اعتبار سے اگرچہ معلوم ہے لیکن عرش پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کی نسبت سے اس "استوا" کی حقیقت مجہول ہے۔ اس لیے کہ "استوا" کی حقیقت مخلوق کے حق میں بھی مختلف ہوتی ہے، چنانچہ کسی جی ہوئی کرسی پر مستوی ہونا (بلند ہونا) بے قابو اونٹ کے کجاوے پر مستوی ہونے کی مانند نہیں ہے۔ چنانچہ یہ چیز جب مخلوق کے حق میں مختلف ہے تو خالق و مخلوق کے درمیان یہ اختلاف کہیں زیادہ واضح اور بڑا ہے۔

مذکورہ وصف کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے کے بہت سے عظیم الشان ثمرات ہیں:

اول: اللہ تعالیٰ کی توحید کو بروئے عمل لانا: اس طرح کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے امیدیں وابستہ نہ رکھے، نہ کسی دوسرے سے خوفزدہ ہو اور نہ ہی کسی اور کی عبادت کرے۔

دوم: ”اسماۓ حسنی“ (یعنی اچھے ناموں) اور ”صفات علیاً“ (بلند صفات) کے تقاضوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس سے کمال محبت کرنا۔

سوم: ”عبادت کی بجا آوری“ یعنی جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے ان کو بجالانا، اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرنا۔

فرشتوں پر ایمان

”ملائکہ“ یعنی فرشتے ایک غبی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والی مخلوق ہیں، ان میں ”ربوبیت“ اور ”الوہیت“ کی کوئی خصوصیت موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں نور سے پیدا فرمایا ہے اور ان کو تمام احکام الہی پوری طرح بجالانے کی قدرت اور انہیں نافذ کرنے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(...وَمَنْ عِنْدُهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا
يَسْتَحْسِرُونَ ﴿١٦﴾ يُسَيِّحُونَ الَّذِي أَنْتَ
وَالْمُتَهَارُ لَا يَفْتُرُونَ ﴿١٧﴾)

”۔ اور جواس کے پاس ہے وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور
نہ تھکلتے ہیں۔ وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں
کرتے۔“ [سورہ انبیاء: ۱۹-۲۰]

فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کی صحیح تعداد نہیں
جانتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قصہ معراج والی حدیث میں ثابت ہے: ”نبی
صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان میں ”بیتِ معمور“ پر پہنچے تو دیکھا کہ اس میں ہر روز ستر ہزار
فرشتنے نماز پڑھتے ہیں اور جواس میں سے ایک بار (نماز پڑھ کر) نکل جائے تو دوبارہ
اس میں لوٹ کر نہیں آتا، (یعنی دوبارہ پھر کبھی اس کی باری نہیں آتی)۔“

فرشتوں پر ایمان لانا چار امور پر مشتمل ہے:

(۱) فرشتوں کے وجود پر ایمان۔

(۲) جن فرشتوں کے نام ہمیں معلوم ہیں (جیسے جبریل علیہ السلام) ان پر
مفصل ایمان لانا اور جن فرشتوں کے نام ہمیں معلوم نہیں ہیں ان سب پر
اجمالاً ایمان لانا۔

(۳) فرشتوں کی جن صفات کا ہمیں علم ہے ان پر ایمان لانا، جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی صفت کے متعلق نبی ﷺ نے بیان فرمایا: ”میں نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل و صورت میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے اور انہوں نے افق کو بھر رکھا تھا۔ یعنی پوری فضا میں چھائے ہوئے تھے۔“

کبھی فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی شکل و صورت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق معروف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا تو وہ ان کے پاس ایک عام انسان کی شکل میں آئے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرماتھے۔ وہ ایک ایسے شخص کی شکل میں آئے کہ ان کے کپڑے انتہائی سفید اور سر کے بال غیر معمولی طور پر سیاہ تھے، اور ان پر سفر کے آثار بھی نمایاں نہ تھے، صحابہ میں سے کوئی بھی انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ وہ اپنے گھٹنے نبی ﷺ کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے اسلام، ایمان، احسان، قیامت کی گھٹری اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا۔ اور نبی ﷺ

انھیں جواب دیتے رہے۔ پھر نبی ﷺ نے (صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر) فرمایا: «هَذَا جِبْرِيلُ؛ أَتَأْكُمْ يُعْلَمُكُمْ دِيَنَكُمْ». ”یہ جبریل تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔“^(۱)

اسی طرح وہ فرشتے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس بھیجا تھا وہ بھی انسان ہی کی شکل میں آئے تھے۔

(۲) فرشتوں کے ان اعمال پر ایمان لانا جو ہمیں معلوم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام دیتے ہیں، مثلاً اللہ عزوجل کی تسبیح بیان کرنا اور دن رات مسلسل بغیر تھکاوت اور اکتاہٹ کے اس کی عبادت کرنا وغیرہ۔

بعض فرشتے مخصوص اعمال کے لیے مقرر ہیں۔

جیسے جبریل امین: اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی لے کر انھیں اپنے نبیوں اور رسولوں کے پاس بھیجا۔

میکائیل: ان کے ذمہ بارش اور نباتات (یعنی روزی) پہنچانے کا کام ہے۔ اسرافیل: قیامت کی گھڑی اور مخلوق کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت

^(۱) صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الإیمان والاسلام والاحسان ووجوب الإیمان باثبات قدر اللہ سبحانہ وتعالیٰ، حدیث نمبر: ۸۔

صور پھونکنے پر مامور ہیں۔

موت کا فرشتہ: موت کے وقت روح قبض کرنے پر مامور ہے۔

مالک: جہنم پر مامور بلکہ داروغہ جہنم ہے۔

جنین پر مامور فرشتہ: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو شکم مادر میں جنین (یعنی بچے) پر مامور ہیں: چنانچہ جب انسان ماں کے رحم میں چار ماہ کی مدت پوری کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے اس کی روزی، اس کی مدتِ زندگی، اس کے عمل اور اس کے بد بخت یا سعادت مند ہونے کو قلم بند کرنے کا حکم دیتا ہے۔

بنی آدم کے اعمال کی حفاظت پر مامور فرشتہ: ہر شخص کے اعمال کی حفاظت اور انہیں لکھنے کے لیے دو فرشتے مقرر ہیں جن میں سے ایک انسان کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب رہتا ہے۔

مردوں سے سوال کرنے پر مامور فرشتہ: جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کی بابت سوال کرتے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانے کے ثمرات:

اول: اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، اس کی قوت اور اس کی سلطنت کا علم۔

یاد رہے کہ مخلوق کی عظمت خالق کی عظمت کی دلیل ہے۔

دوم: بنی آدم پر عنایات کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا کہ اس نے ان

فرشتوں کو بنی آدم کی حفاظت، ان کے اعمال لکھنے اور دیگر مصلحتوں پر مامور

فرمایا ہے۔

سوم: فرشتوں سے محبت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اپنے سپرد کردہ

فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

گمراہوں کی ایک جماعت نے فرشتوں کے مجسم مخلوق ہونے کا انکار کیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ فرشتے دراصل مخلوقات میں موجود خیر و برکت کی (پوشیدہ) قوتوں کا نام ہے لیکن یہ دعویٰ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور

تمام مسلمانوں کے اجماع کو صریحاً جھلانے کے متtradف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(الْحَمْدُ لِلّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَكَيَّةِ رُسُلاً

أُولَئِيْ أَجْنِحَةٍ مَّثْنَى وَثُلَثَ وَرُبْعَ ...)

”اس اللہ کے لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین
کا پیدا کرنے والا اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر
(قادص) بنانے والا ہے...“ [سورة فاطر: ۱]۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

(وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ
وَأَدْبَرُهُمْ...)

”ماش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے
منہ پر اور سرینوں پر مارتے ہیں...“ [سورة انفال: ۵۰]۔

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(...وَلَوْ تَرَى إِذَا الظَّالِمُونَ فِي عَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا
أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمْ...)

”... اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں
میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں
نکالو...“ [سورة انعام: ۹۳]۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(... حَتَّىٰ إِذَا فُرِّغَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَحَقُّ
وَهُوَ أَعْلَى الْكَيْنَاتِ)

”۔۔۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبر اہٹ ڈور کر دی جاتی ہے تو
پوچھتے ہیں، تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور
وہ بلند وبالا اور بہت بڑا ہے۔“ [سورہ سبا: ۲۳]

اہل جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(... وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا
صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ)

”۔۔۔ ان کے پاس فرشتہ ہر دروازے سے آئیں گے۔ (کہیں گے کہ)
تم پر سلامتی ہو، صبر کے بدے، کیا ہی اچھا (بدل) ہے اس دار آخرت کا۔“
[سورہ رعد: ۲۳-۲۴]

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے
ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو جریل علیہ السلام کو
پکارتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ بے شک اللہ فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے، اس
لیے تم بھی اس سے محبت کرو، تو جریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

پھر جریل علیہ السلام آسمان والوں کو پکارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے، تم لوگ بھی اس سے محبت رکھو، تو تمام آسمان والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کو زمین پر بھی شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے۔^(۱)

اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن مسجد کے تمام دروازوں پر فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں آنے والے نمازیوں (کے ناموں) کا ترتیب دار اندر ارج کرتے ہیں، پھر جب امام (خطبہ کے لیے منبر پر) بیٹھ جاتا ہے تو وہ بھی اپنے اپنے رجسٹر بند کر کے (اللہ تعالیٰ کا ذکر) سننے کے لیے (مسجد میں) آ جاتے ہیں۔^(۲)

کتاب و سنت پر مشتمل مذکورہ بالا تمام نصوص اس بات کی صراحة ترکی ہیں کہ فرشتے مجسم خلوق ہیں، پوشیدہ اور معنوی قوتیں نہیں جیسا کہ بعض گمراہ لوگوں کا کہنا ہے، نیزان تمام نصوص کے تقاضوں پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(۱) صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ، حدیث نمبر: ۳۰۳، صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب، باب إِذَا أَحَبَ اللَّهُ عَبْدًا، حِبَّهُ إِلَى عِبَادَةٍ، حدیث نمبر: ۲۶۳۔

(۲) صحیح بخاری: کتاب الجمعة، باب الاستماع إلى الخطبة، حدیث نمبر: ۸۸، صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فضل التحجه يوم الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۰۔

کتابوں پر ایمان

کتب: کتاب کی جمع ہے جس کے معنی مکتوب (نوشته) کے ہیں۔

یہاں ”کتب“ سے مراد وہ کتابیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت و رحمت کے لیے رسولوں پر نازل فرمایا تاکہ ان کے ذریعہ وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

کتابوں پر ایمان چار امور پر مشتمل ہے:

اول: اس بات پر ایمان کہ ان کتابوں کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونا، حق ہے۔

دوم: ان کتابوں میں سے جن کے نام ہمیں معلوم ہیں، مثلاً قرآن کریم جو کہ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، اور ”تورات“ کا نزول موسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ ”انجیل“ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور ”زبور“ داؤد علیہ السلام کو دی گئی۔ ان سب پر ایمان لانا نیزان کے علاوہ جن صحیفوں اور کتابوں کے نام ہمیں معلوم نہیں ان سب پر ہم مجمل ایمان رکھتے ہیں۔

سوم: ان کتابوں کی جو خبریں صحت کے درجہ کو پہنچتی ہیں مثلاً قرآن کریم

کی تمام خبریں اور سابقہ کتابوں کی وہ خبریں جن میں تحریف یا تغیر و تبدل نہیں ہوا، ان کی تصدیق کرنا۔

چہارم: ان کتابوں کے ان جملہ احکام پر برضاو رغبت عمل کرنا جو منسوخ نہیں ہوئے، خواہ ہم ان احکام کی حکمت کا ادراک کر سکے ہوں، یا ہم ایسا کرنے سے قادر ہے ہوں۔ یاد رہے کہ سابقہ تمام کتابیں قرآنِ کریم کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَأَنَّ لَنَا إِلَيْكَ الْكِتَبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَبِ وَمُهَيِّمِنًا عَلَيْهِۤ...)

”اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔۔۔“ [سورہ مائدہ: ۲۸]۔ یعنی: ان پر حاکم ہے۔

الہذا پہلی کتابوں کے احکام میں سے کسی حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے الایہ کہ صحت کے درجہ کو پہنچ جائے، نیز قرآنِ کریم نے اسے منسوخ نہ کیا ہو بلکہ (پہلی حالت پر) برقرار رکھا ہو۔

کتابوں پر ایمان لانے کے چند ثمرات:

اول: بندوں کے تین اللہ تعالیٰ کی عنایت کا علم کہ اس نے ہر قوم کی
ہدایت کے لیے ایک کتاب نازل فرمائی۔

دوم: شریعت سازی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے
ہر قوم کے لیے ان کے احوال کے مطابق شریعت مقرر کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے:

(...لِكُلٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَاءَ...)

”--- تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی
ہے---“ [سورہ مائدہ: ۳۸]

سوم: اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر۔

رسولوں پر ایمان

”رسل“ رسول کی جمع ہے۔ اس کے معنی ”مرسل“ یعنی ”پیغمبر“،
”مبعوث“ اور ”فرستادہ“ کے ہیں۔ جو کسی شے کو پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہو۔
یاد رہے کہ یہاں ”رسل“ سے مراد: بشر میں سے وہ ہستیاں ہیں جن کی

طرف بذریعہ وحی شریعت نازل کی گئی اور انھیں اس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا۔
 سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام، اور آخری رسول حضرت
 محمد ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالثَّمِينَ مِنْ بَعْدِهِ...)

”یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی...“ [سورہ نساء: ۱۶۳]

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت والے دن) لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تاکہ وہ ان کے لیے شفاعت کریں لیکن وہ عذر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ آپ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں جو پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔“ پھر انھوں نے پوری حدیث بیان کی۔^(۱)

اور حضرت محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

^(۱) صحیح بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿لَمَّا خَلَقْتُ بَنِي آدَمَ﴾، حدیث نمبر: ۲۱۰۔
 صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب آدنی اہل الجنۃ منزہ فیہا، حدیث نمبر: ۱۹۳۔

(مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ...)

”(لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن آپ
اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے...“ [سورہ احزاب:
[۳۰]

کوئی بھی امت ایسی نہیں گزری جس کی طرف رسول یا نبی نہ آیا ہو بلکہ اللہ
تعالیٰ نے یا تو کسی رسول کو ان کی قوم کی طرف مستقل شریعت کے ساتھ
مبعوث فرمایا، یا پھر کسی نبی کو ان سے پہلے رسول کی شریعت کی تجدید کے لیے
بذریعہ و حی احکام شریعت بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اُعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا
الظَّاغُوتَ...)

”ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور
اس کے سواتnam معبودوں سے بچو۔۔۔“ [سورہ نحل: ۳۶:-]
ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(...وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَآ فِيهَا نَذِيرٌ)

”... اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزر آہو۔“

[سورہ فاطر: ۲۲]

نیز فرمایا:

(إِنَّا أَنْزَلْنَا الْتُّورَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا الْبَيِّنُونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّهِ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا...)

”ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے، یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مانے والے انبیاء (علیہم السلام) فیصلے کرتے تھے...“ [سورہ مائدہ: ۳۳]

تمام رسول بشر اور مخلوق ہیں، ان میں سے کسی میں بھی ربوبیت اور الوہیت کی خصوصیات نہیں پائی جاتیں، حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ، جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں کے سردار اور مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بڑے ہیں، کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(فُلَّاَ أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْعَيْبَ لَا سُتُّكَثُرُتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَنِيَ الْسُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا دَيْرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨﴾)

”آپ فرمادیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہو تو اپنے لیے بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا، میں تو محض ڈرانے والا اور پشارت دینے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان لا سکیں۔“ [سورہ ڈران: ۱۸۸]

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(فُلِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۖ ۲۱ ۷ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي
مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۖ ۲۲) ﴿

”کہہ دیجیے کہ مجھے تمہارے کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں۔ کہہ دیجیے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پاسکتا۔“ [سورہ جن: ۲۱-۲۲]

رسولوں کے ساتھ بھی تمام بشری خصوصیات، مثلاً مرض، موت اور کھانے پینے کی حاجت وغیرہ لگی ہوئی تھیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بشری اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے رب تعالیٰ کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا، اس کی حکایت قرآنِ کریم میں یوں ہوئی ہے:

(وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي ﴿٨٠﴾)
 وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِنِي ﴿٨١﴾)

”وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے اور وہی مجھے مارڈا لے گا، پھر زندہ کر دے گا۔“ [سورہ شعراء: ۷۹-۸۱]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں تو تم جیسا ہی بشر ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھولتا ہوں، پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔“^(۱)

اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی عبودیت کے بلند ترین مقامات سے نوازا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ان کی تعریف و شناختیان فرمائی، مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{...إِنَّهُ وَ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا}

^(۱) صحیح بخاری: آبوبکر القبلة، باب التوجہ نحو القبلة حيث كان، حدیث نمبر: ۳۹۲، صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب الحصون في الصلاة، والمسجدون، حدیث نمبر: ۵۷۲۔

”۔۔۔ وَهُمَا بِرٌّ أَهْيَ شَكْرَ گَزَارَ بَنْدَهُ تَهَا۔“ [سورة اسراء: ۳۳]

حضرت محمد ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا:

(تَبَارَكَ اللَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلنَّعْلَمِينَ
نَذِيرًا) ﴿١﴾

”بہت بارکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتنا راتا کہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔“ [سورة فرقان: ۱]۔

اسی طرح حضرت ابراہیم اور اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

(وَأَذْكُرْ عِبَدَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَئِي الْأَيْدِي
وَالْأَبْصَرِ ﴿٤﴾ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٥﴾ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا^٦
لَمِنَ الْمُضْطَفَينَ الْأَخْيَارِ ﴿٦﴾)

”ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو بڑی قوت اور بصیرت والے تھے۔ ہم نے انھیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے۔“ [سورة ص: ۲۵-۲۷]۔

اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾

”عیسیٰ بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے نشان (قدرت) بنایا۔“ [سورہ زخرف: ۵۹]

رسولوں پر ایمان چار امور پر مشتمل ہے:

اول: اس بات پر ایمان کہ ان کی رسالت برحق اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھی، چنانچہ جس نے ان رسولوں میں سے کسی کی بھی رسالت کا انکار کیا، تو اس نے ان سب کا انکار کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہے:

﴿كَذَّبُوا رَبَّهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾

”قوم نوح نے بھی نبیوں کو جھٹالایا۔“ [سورہ شعراء: ۱۰۵]

غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو تمام رسولوں کو جھٹلانے والی قوم قرار دیا، حالانکہ جس وقت انہوں نے تکذیب کی تھی اس وقت تک حضرت نوح علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا رسول ان کے ہاں نہ آیا تھا۔ بنا بریں جن عیسائیوں نے حضرت محمد ﷺ کو جھٹالایا اور ان کی پیروی

نبیس کی، تو انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھی جھٹلا دیا اور وہ ان کی اتباع کرنے والوں میں سے بھی نہ رہے، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عیسائیوں کو حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی۔ ان کو اس امر کی بشارت دیے جانے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ کے کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہوں گے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ہاتھوں ان لوگوں کو گمراہیوں سے محفوظ فرمائے گا اور انھیں سیدھی را دکھائے گا۔

دوم: ان رسولوں پر ایمان لانا جن کے نام ہمیں معلوم ہیں، مثلاً حضرت محمد، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور نوح علیہم الصلاۃ والسلام۔ یہ پانچ اولوں العزم رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں دو مقالات پر ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيقَاتَهُمْ وَمِنْكَ وَمَنْ نُوحَ وَإِبْرَاهِيمَ
وَمُوسَى وَعِيسَى أَبْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيقَاتًا غَلِظًا ﴿٧﴾)

”جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (باخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان

سے پختہ عہد لیا۔” [سورہ احزاب: ۷]۔ مزید ارشادِ الٰہی ہے:

(شَرَعَ لَكُم مِّنَ الْدِينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكُمْ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ۖ أَنْ أَقِيمُوا الْدِينَ وَلَا
تَنْفَرُوا فِيهِ ۗ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَعْلَمُ بِإِيمَانِهِمْ
مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴿۳﴾)

”اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ) وحی ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف آپ انھیں بلا رہے ہیں وہ تو مشرکین پر گراں گزرتی ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔“ [سورہ شوری: ۱۳]

ان برگزیدہ رسولوں کے علاوہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی کا ہمیں علم نہیں، ان پر بھی اجمالاً ایمان لانا ہم پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ
وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ...)

”یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے (قصے) تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے...“ [سورہ غافر: ۷۸]

سوم: ان کی جو خبریں صحیح اور ثابت ہوں، ان کی تصدیق کرنا۔

چہارم: ان رسولوں میں سے جو رسول ہمارے پاس تشریف لائے، ان کی شریعت پر عمل کرنا، اور بلاشبہ وہ خاتم الرسل حضرت محمد ﷺ ہیں جو تمام انسانوں کی طرف بھیج گئے پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝)

”سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! وہ ایماندار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں اور کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔“ [سورہ نساء: ۶۵]

رسولوں پر ایمان لانے کے ثمرات:

اول: بندوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت کا علم کہ اس نے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسولوں کو محض اس لیے بھیجا کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف رہنمائی کریں اور اللہ کی عبادت کرنے کا طریقہ بیان کریں، کیونکہ صرف عقل انسانی کے ذریعہ ان چیزوں کی معرفت ناممکن ہے۔

دوم: اس بڑی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔

سوم: تمام رسائل علیہم السلام کے شایان شان ان کی تغظیم، محبت اور شناکرنا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں، نیز اس لیے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے تھے، اس کی رسالت کی تبلیغ کی اور اس کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کی۔

مذکورین رسالت کا نظریہ اور اس کا رد: معاندین نے اس دعوے سے اپنے رسولوں کو جھٹلایا کہ بشر اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رد فرمایا:

(وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا
أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولاً ﴿٤٦﴾ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَكٌ كَثُرٌ يَمْشُونَ

مُظْمِنِينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿٥٥﴾

”لوگوں کے پاس پدایت پہنچ کرنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنانا کر بھیجا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنانا کر سمجھتے۔“ [سورہ اسراء: ٩٣-٩٥]۔

اس گمان کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ زمین کے باشندے بشر ہیں، اور رسول انھی کی طرف بیجھے گئے ہیں، لہذا ان رسولوں کا بشر ہونا ضروری ہے اور اگر زمین کے باشندے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنانا کرنا زل فرماتا تاکہ وہ ان جیسا ہی ہو۔ اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا قول یوں نقل فرمایا ہے:

(...إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ
ءَابَاؤُنَا فَأَنْتُوْنَا بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ تَحْنُنُ إِلَّا بَشَرٌ
مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا
أَنْ نَاتِيَّكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ...)

”۔۔ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداوں کی عبادت سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو۔ ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ توجہ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی مجذہ تمحیں لا دکھائیں۔۔۔“ [سورہ ابراہیم: ۱۰-۱۱]

یوم آخرت پر ایمان

”یوم آخرت“ سے مراد روزِ قیامت ہے۔ جس دن لوگوں کو ان کے اعمال کے حساب و جزا کے لیے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

اس دن کا نام ”یوم آخرت“ اس لیے ہے کہ اس کے بعد کوئی دوسرا دن نہ ہو گا، کیونکہ تمام اہل جنت اور اہل جہنم اپنے ٹھکانوں میں قرار پا چکے ہوں گے۔

آخرت کے دن پر ایمان تین امور پر مشتمل ہے:

اول: دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا۔ دوبارہ اٹھائے جانے سے مراد

دوسری بار صور پھوٹنے وقت مردوں کو زندہ کرنا ہے، چنانچہ تمام لوگ بغیر جو توں کے ننگے پاؤں، بغیر لباس کے ننگے جسم، اور بغیر ختنوں کے اللہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہو جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{... كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ ثُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ}

”۔۔۔ جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے۔“

[سورہ انبیاء: ۱۰۳]۔

دوبارہ اٹھایا جانا برحق اور ثابت ہے، کتاب اللہ، سنت رسول اور مسلمانوں کا اجماع سب اس کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيْتُونَ ۝ ۱۵ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
تُبَعَّثُونَ ۝ ۱۶)

”اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مر جانے والے ہو۔ پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔“ [سورہ مومنون: ۱۵-۱۶]

نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور

بغیر ختنے کے جمع کیا جائے گا۔”^(۱) متفق علیہ۔

اس کے ثبوت پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور حکمت کا تقاضا بھی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے اور اپنے رسولوں کے ذریعے اس نے ان پر جو فرائض عائد کیے تھے، ان کی تحسیں جزا دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(أَفَحَسِبُّهُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبْدًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾)

”کیا تم یہ مکان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمھیں یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔“ [سورہ مومنون: ۱۱۵]

اور اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا:

(إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْءَانَ لَرَأَدَكَ إِلَى مَعَادٍ...)

”جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے۔۔۔“ [سورہ قصص: ۸۵]

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، وصفة نعمیها وآلها، باب فناء الدنيا، وبيان الحشر يوم القيمة، حدیث نمبر: ۲۸۵۹۔

دوم: حساب و جزا پر ایمان لانا، یعنی بندے کے تمام اعمال کا حساب ہو گا اور اس کے مطابق اسے پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے ثبوت پر بھی کتاب و سنت اور مسلمانوں کا اجماع دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(إِنَّ إِلَيْنَا إِيَّاهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابُهُمْ ۝)

”بے شک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے۔ پھر بے شک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا ہے۔“ [سورہ غاشیہ: ۲۵-۲۶]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(مَنْ جَاءَ بِالْحُسْنَةِ فَلَهُ وَعَشْرُ أَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيْئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝)

”جو شخص نیک کام کرے گا، اُس کو اُس کے دس گناہ میں گے اور جو شخص برا کام کرے گا، اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا۔“ [سورہ انعام: ۱۶۰]۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَنَصِّعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۚ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا إِلَيْهَا وَكَفَى بِنَا حَلَسِينَ ۝)

”اور قیامت کے دن ہم (لوگوں کے اعمال تولئے کے لیے) میزانِ عدل قائم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا، ہم اسے لاحاض کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔“

[سورہ انبیاء: ۷۴]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومن شخص کو اپنے قریب بلا کر اپنے پردے سے ڈھانپ لے گا اور اس سے پوچھے گا کہ کیا تو یہ اور یہ گناہ جانتا ہے؟ وہ جواب دے گا، ہاں، اے میرے رب! یہاں تک کہ جب وہ اپنے گناہوں کے اقرار کے بعد یہ سمجھ لے گا کہ وہ توبہ و بر باد ہو گیا ہے، تو اللہ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کی پرده پوشی کی تھی، آج میں تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں، چنانچہ اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا، لیکن کفار اور منافقین کو علی الاعلان تمام مخلوق کے سامنے بلا کریہ کہا جائے گا: ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا، خبردار ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔“^(۱) متفق علیہ۔

^(۱) صحیح بخاری: کتاب المظالم، باب قبول اللہ تعالیٰ: ﴿لَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّلَمِينَ﴾، حدیث نمبر: ۲۳۰۹، صحیح مسلم: کتاب التوبۃ، باب قبول توبۃ القاتل، وإن كثر قتله، حدیث نمبر: ۲۷۲۸۔

اور نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جس کسی نے نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس ایک نیکی کو اپنے ہاں دس گنا سے سات سو گنا، بلکہ اس سے بھی کئی گنازیادہ نیکیاں لکھ دیتا ہے، اور جب کوئی کسی بدی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر گزرے، تو اللہ تعالیٰ (اس کے نامہ اعمال میں) صرف ایک ہی بدی لکھتا ہے۔“^(۱)

قیامت کے روز تمام انسانی اعمال کے حساب و کتاب اور ان کی جزا و سزا کے اثبات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے، جو احکام شریعت وہ لائے تھے انھیں قبول کرنا اور ان میں سے جن احکام پر عمل کرنا واجب ہے، ان پر عمل کرنا بندوں پر فرض کیا۔ جو لوگ اس کی شریعت کے مخالف ہیں، ان کے ساتھ قتال کو واجب قرار دیا۔ تو اگر ان کے خون، ان کی اولاد، ان کی عورتوں اور ان کے مالوں کو حلال قرار دیا۔ تو اگر ان تمام اعمال کا حساب کتاب ہی نہ ہو اور نہ ان کے مطابق جزا و سزا دی جائے تو یہ تمام احکام بے کار اور مہمل قرار پاتے حالانکہ تمام جہانوں کا پروار دگار توہر عبث چیز سے منزہ ہے، چنانچہ اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے یوں اشارہ فرمایا ہے:

^(۱) صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب إِذَا هُمُ الْعَبْدُ بِحُسْنَةٍ كَتَبْتُ وَإِذَا هُمْ بِيُنْعَنَّةٍ لَمْ كُتَّبْ، حدیث نمبر:

(فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَلَنَقْصَصَنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَالِبِينَ ۝)

”پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔ پھر یقیناً ہم اپنے علم سے (ان کے حالات) ان کے رو برو بیان کر دیں گے۔ اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔“ [سورہ اعراف: ۲-۷]

سوم: جنت اور جہنم پر ایمان لانا، یعنی یہ دونوں مخلوق کے ابدی ٹھکانے ہیں۔

سو جنت نعمتوں کا گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تقوی اختیار کرنے والے ان مومنوں کے لیے بنایا ہے جو ان چیزوں پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اور اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص اور اس کے رسول کے پیروکار ٹھہرے۔ ان کے لیے جنت میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: ”جسے نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال تک

گزرا۔”^(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَيْرُ
الْبَرِيَّةُ ۝ جَرَأُوهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ حَشِّيَ
رَبَّهُو ۝

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔ ان کا بدله ان کے رب کے ہاں ہیشگی والی جنت ہیں جن کے نیچے نہیں بہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔“ [سورہ بینۃ: ۷-۸]۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِي لَهُمْ مِنْ قُرَّةَ أَعْيُنٍ جَرَاءٌ بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝

^(۱) صحیح بخاری: کتاب التفسیر، باب قوله: (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِي لَهُمْ مِنْ قُرَّةَ أَعْيُنٍ) حدیث نمبر: ۳۵۰۱، صحیح مسلم: کتاب الجنة وصفة نعمتها وأهلها، حدیث نمبر:

”کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے، جو کچھ وہ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔“ [سورہ سجدہ: ۱۷]-

”جہنم“ عذاب کا گھر ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے ان ظالم کافروں کے لیے بنایا ہے جنہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ جہنم میں طرح طرح کا عذاب اور سامان عبرت ہے، کوئی دل ان ہولناکیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَاتَّقُوا الْنَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣﴾)

”اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ [سورہ آل عمران: ۱۳۱]- ایک جگہ یوں فرمایا:

(وَقُلْ أَلْحُقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلِيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلِيَكُفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغْيِثُوا يُغَاثُوا بِمَا إِرْ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ يُئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٦﴾)

”اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ظالموں کے لیے ہم

نے وہ آگ تیار کر کھی ہے جس کی قاتمیں انھیں گھیر لیں گی۔ اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھت جیسا ہو گا جو چہرے بھون دے گا، بڑا ہی براپانی ہے اور بڑی بری آرام گاہ، یعنی دوزخ ہے۔” [سورہ کھف: ۲۹]۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفَّارِينَ وَأَعَدَ لَهُمْ سَعِيرًا ﴾٦٤﴾ خَلِيلِيْنَ فِيهَا أَبَدًا
لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقْلَبُ وُجُوهُهُمْ فِي الْتَّارِيْخِ يَقُولُونَ
يَلَيْتَنَا أَطْعَنَا اللَّهَ وَأَطْعَنَا الرَّسُولُ لَا ﴿٦٦﴾

”اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔ اس دن ان کے چہرے آگ میں اُٹ پلٹ کئے جائیں گے۔ (حضرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش! ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے۔“ [سورہ احزاب: ۶۶-۶۷]

یوم آخرت پر ایمان کے ثمرات:

اول: اس دن کے اجر و ثواب کی امید و طلب میں اطاعت و فرمانبرداری کی رغبت اور اس کی حرص۔

دوم: اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے نافرمانی سے بے تعقیٰ اور بے زاری۔

سوم: آخرت کی نعمتوں اور ثواب کی امید پر مومنوں کے لیے دنیاوی نعمتوں سے محرومی پر تسلی۔

کافروں نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا، ان کا خیال ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ناممکن ہے۔ لیکن ان کا یہ گمان قطعاً باطل ہے، شریعت، حس اور عقل اس کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔

شرعی نصوص سے منکرین بعث کارد: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿رَأَمْعَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ لَنْ يُبَعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَشَبَعَنَ ثُمَّ لَتُشَبَّهُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾

”ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔“ [سورہ تفابن: ۷]۔ نیز تمام آسمانی کتابیں اس امر پر متفق ہیں۔

حسی دلیل سے منکرین بعث کارد: اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں مردوس کو

دوبارہ زندہ کر کے اپنے بندوں کو اس چیز کا مشاہدہ کروادیا ہے، چنانچہ سورۃ البقرۃ میں اس کی پانچ مثالیں مذکور ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلی مثال: قوم موسیٰ نے جب ان سے کہا کہ اے موسیٰ!

(...لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهَرًّا ...)

”--- جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے ---“ [سورۃ بقرۃ: ۵۵] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مارڈا، پھر ان کو دوبارہ زندگی بخشی۔ چنانچہ اسی واقعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

(وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهَرًّا
فَاخْذُذُوكُمُ الصَّعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ ۶۱ ۷۳ بَعْنَانَكُمْ مِنْ بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشَكُّرُونَ ۝ ۶۲)

”اور (تم یاد کرو) جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمھارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ پھر اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمھیں زندہ کر دیا۔“ [سورۃ بقرۃ: ۵۵-۵۶]-

دوسری مثال: اس ”مقتول“ کی ہے جس کے ناحق مارے جانے کی ذمہ داری بنی اسرائیل میں سے کسی نے قبول نہ کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں گائے ذبح کرنے اور اس کے ایک ٹکڑے کو میت پر مارنے کا حکم دیا تاکہ وہ انھیں اپنے قاتل کی خبر دے۔ اس قصہ کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

(وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَأَدَّرَاءُتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ خُرْجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٦﴾ فَقُلْنَا أَضْرِبُوهُ بِعَيْضِهَا ۚ كَذَلِكَ يُخْبِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ مَا إِيَّتُهُ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾)

”جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور جو کچھ تم چھپاتے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگادو، (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمھیں تمھاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔“ [سورہ

بقرہ: ۷۳-۷۴]

تیسرا مثال: اس قصہ کی ہے جس میں بنی اسرائیل کی کئی ہزار افراد پر مشتمل ایک قوم موت کے خوف سے اپنی بستیوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (ان پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ موت سے کسی کو

فرار حاصل نہیں ہے) ان سب کو موت کی نیند سلا دیا، پھر ان کو زندہ فرمایا۔
اس واقعہ کا تذکرہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

(أَلَمْ تَرِ إِلَى الَّذِينَ حَرَجُوا مِنْ دِيَرِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتَ
فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُؤْتُوا ثُمَّ أَحْيِهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٣﴾)

”کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر
کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ نے انھیں فرمایا:
مر جاؤ، پھر انھیں زندہ کر دیا، بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے، لیکن
اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔“ [سورہ بقرہ: ۲۳۳]

چوتھی مثال: اس قصے کی ہے جس میں ایک شخص کا گزر کسی ویران اور تباہ
شده بستی سے ہوا، بستی کی حالت دیکھ کر اسے یہ حیرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس
بستی والوں کو (روز قیامت) کس طرح زندہ فرمائے گا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس
کی روح بھی قبض کر لی اور اسے سو سال تک مردہ رکھا، پھر اس کو زندہ فرمایا۔
قرآنِ کریم میں اس واقعہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

(أَوْ كَالَّذِي مَرَ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنِّي

يُحِيٰه هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَّا تُهُ مِائَةُ اللَّهُ مِائَةُ عَامٍ ثُمَّ بَعْشَهُ وَقَالَ كَمْ لَيْشَ قَالَ لَيْشُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَيْشَ مِائَةُ عَامٍ فَأَنْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهُ وَأَنْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ إِعْيَاهُ لِلنَّاسِ وَأَنْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِرُهَا ثُمَّ نَسْوُهَا لَحْمًاً فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾

”یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوں دھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا: اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لیے، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یادن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا، اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کر بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کر ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا: میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

[سورہ بقرہ: ۲۵۹]-

پانچوں مثال: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس قصہ کی ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت کا مشاہدہ

کرنے کی درخواست کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے جسم کے ٹکڑے (آپس میں ملا کر) آس پاس کے پھاڑوں پر منتشر کر دینے اور پھر ان کو آواز دینے کا حکم دیا، چنانچہ تمام ٹکڑے ایک دوسرے سے جڑ کر دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ
قَالَ بَلَىٰ وَلَكِنْ لَيَطْمِئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الظَّهِيرَ فَصُرْهُنَّ
إِلَيْكَ ثُمَّ أَجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ أَدْعُهُنَّ يَاٌتَيْنَكَ سَعْيًا
وَأَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (٦)

”اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھاتو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ (جناب باری تعالیٰ نے) فرمایا: کیا تمھیں ایمان نہیں؟ جواب دیا: ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا: چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پھاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا کھو دو، پھر انھیں پکارو، وہ تمھارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔“ [سورہ بقرہ: ٢٦٠]۔

یہ چند ایسی حسی اور حقیقی مثالیں ہیں جو مردوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ ان واقعات سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو عطا کردہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنے اور انھیں قبروں سے نکالنے) کی طرف بھی اشارہ کر رکھے ہیں۔

عقلی دلائل دو قسم کے ہیں:

اول: بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں وزمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب کو پہلی بار (یعنی بغیر کسی سابقہ مثال کے) پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ جو ہستی مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہو، وہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَهُوَ الَّذِي يَبْدُؤُ أَخْلَقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ...)

”اور وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔۔۔“ [سورہ روم: ۲۷]۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

(... كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَعَدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ)

”... جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے۔“ [سورہ انبیاء: ۱۰۲]۔ جن لوگوں نے بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا تھا ان کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(فَلْ يُخْبِرِهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾)

”آپ جواب دیجیے کہ انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے انھیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے، اور وہ سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جانے والا ہے۔“ [سورہ یس]:

- [۷۹]

دوم: زمین سخت بخبر اور مردار ہوتی ہے جس میں کوئی ہر ابھرا درخت نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس پر بارش بر ساتا ہے تو اس پر خوش و خرم اور شادماں جوڑوں کی شکل میں سبزہ لہلہا اٹھتا ہے۔ تو جو بخبر ہونے کے بعد اس زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مردوں کو دوبارہ زندگی بخشنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَمِنْ عَائِتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَلِيشَعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ أَهْتَرَّتْ وَرَبَّثَ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ إِنَّهُ وَعَلَى كُلِّ شَيْءٍ

”اُس اللہ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے، پھر جب ہم اُس پر میںہ بر ساتے ہیں تو وہ ترو تازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے۔ جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ [سورہ فصلت: ۳۹]۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَرَّكًا فَأَنْبَثْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَتِ لَهَا ظَلْعٌ نَّضِيدٌ ۝ رِزْقًا لِلْعَبَادِ ۝ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيِّتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ۝)

”اور ہم نے آسمان سے با بر کست پانی بر سایا اور اُس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے۔ اور کھجوروں کے بلند والے درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح (قبوں سے) نکلنا ہے۔“ [سورہ ق: ۹-۱۱]

موت کے بعد پیش آنے والی تمام کیفیات پر ایمان لانا یوم آخرت پر ایمان لانے میں شامل ہے، مثلاً:

(۱) فتنہ قبر: یعنی تدفین کے بعد میت سے اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کے متعلق سوال کیا جائے گا، تو اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ صحیح اور مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھے گا، چنانچہ فوت ہونے والا جواب دے گا: ”میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور محمد ﷺ میرے نبی ہیں۔“ اس کے بر عکس ظالموں کو اللہ تعالیٰ گراہ کر دے گا، چنانچہ کافر کہے گا: ”افسوس ہائے افسوس! میں کچھ نہیں جانتا۔“ اور منافق یادیں میں شک کرنے والا کہہ گا: ”میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سناتا تو میں نے بھی کہہ دیا۔“

قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں: ظالموں یعنی منافقین اور کافروں کے لیے ”عذابِ قبر“ مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(...وَلَوْ تَرَى إِذ الظَّالِمُونَ فِي عَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوْا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ إِيمَانِهِ تَسْتَكِبُرُونَ)

”... اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو۔

آج تم کو ذلت کی سزادی جائے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی
باتیں لگاتے تھے، اور تم اللہ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔” [سورہ
انعام: ۹۳]۔

آلِ فرعون کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(النَّارُ يُرَضُّونَ عَلَيْهَا غُدُوا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ الْسَّاعَةُ
أَذْخِلُوا إِلَّا فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤١﴾)

”آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صحیح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن
قیامت قائم ہو گی (فرمان ہو گا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔“
[سورہ غافر: ۳۶]۔

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ تمھیں عذاب قبر میں
سے وہ سنا دے جو کہ میں نے سنائے تو تم (ایک دوسرے کو) ہر گز دفن نہ کرو
گے۔“ پھر آپ نے اپنارخ پھیر کر فرمایا: ”عذاب جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ
ما گنو۔“ صحابہ نے کہا: ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عذاب قبر سے اللہ کی پناہ ما گنو۔“ صحابہ نے کہا: ہم قبر کے

عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم ظاہری اور باطنی تمام آزمائشوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔“ صحابہ نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی تمام فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔“ صحابہ نے کہا: ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔^(۱)

جہاں تک ”قبر کی نعمتوں“ کا تعلق ہے تو یہ صرف سچے مونموں کے لیے مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ أَسْتَقْلُمُوا تَسْتَأْزِلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴾^(۲)

”(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے۔ ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اُس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔“

[سورہ فصلت: ۳۰]

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

^(۱) صحیح مسلم: کتاب الجنة وصفة نعيها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه وإثبات عذاب القبر والتعدى منه، حدیث نمبر: ۲۸۶۷۔

(فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ﴿٨٣﴾ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبَصِّرُونَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ عَيْنَ مَدِينَيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ﴿٨٧﴾ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقْرَرَيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرِيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾)

”پس جب کہ روح نزخرے تک پہنچ جائے اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ ہم اُس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں اور اس قول میں سچ ہو تو (ذر) اُس روح کو تولوٹاؤ۔ پس جو کوئی بار گاہِ الہی سے قریب کیا ہوا ہو گا۔ اُسے تراحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے۔“ [سورہ واقعۃ: ۸۹-۸۳]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے مومن کے متعلق فرمایا کہ جب وہ اپنی قبر میں فرشتوں کے سوالات کا جواب دے چکے گا: ”تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارے گا کہ سچ کہا میرے بندے نے، لہذا اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ، اسے جنت کا لباس پہناو، اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو، چنانچہ اس کے

پاس جنت کی ہوا اور خوبیو آنے لگے گی اور اس کی قبر جہاں تک نگاہ جائے گی (وہاں تک) اکشادہ کر دی جائے گی۔ ”اسے امام احمد اور ابو داؤد نے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے۔^(۱)

بدنیت اور منحرف لوگوں کا ایک گروہ گمراہی کا شکار ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس زعم میں قبر کے عذاب اور اس کی راحتوں کا انکار کیا کہ یہ ایک خلاف واقعہ اور ناممکن امر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر قبر کھول کر مردے کی حالت دیکھی جائے تو وہ اسی حالت میں پایا جاتا ہے جس میں وہ دفن کیا گیا تھا، نیز قبر میں کشادگی یا تنگی جیسی کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آتی۔
یہ گمان شریعت، حس اور عقل کی رو سے باطل ہے۔

شریعت کی رو سے اس کا رد: ”عذاب قبر اور اس کی نعمتوں“ پر دلالت کرنے والے شرعی دلائل کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”نبی ﷺ مدینہ منورہ کے کسی باغ سے نکلے، تو آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔“ پھر پوری حدیث ذکر کی، جس میں آیا ہے: ”ان

^(۱) ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب المسأة فی القبر وعذاب القبر، حدیث نمبر: ۳۷۵۳، احمد، مندالکوفین، حدیث نمبر: ۱۸۵۳، راوی: براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

میں سے ایک تو پیشاب کرتے وقت چھینٹوں سے پر ہیز نہیں کرتا تھا۔ ”ایک دوسری روایت میں ہے: ”اپنے پیشاب سے“، ”اور دوسرا شخص چغل خور تھا۔“ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ”پیشاب سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتا تھا“^(۱)۔

حسی اعتبار سے اس کارڈ: سونے والا شخص کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ بہت وسیع، پرفضا اور خوش کن مقام پر ہے اور وہاں طرح طرح کی نعمتوں اور راحتوں سے لطف اندوڑ ہو رہا ہے (تو وہ اپنے اندر فرحت و شادمانی محسوس کرتا ہے) اور اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ وحشت ناک اور تنگ و تاریک جگہ پر ہے اور اس سے تکلیف محسوس کر رہا ہے (تو وہ غمگین اور رنجیدہ ہو جاتا ہے۔) کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والا شخص اپنے خواب سے چونک کر بیدار ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ اپنے گھر کے کمرے میں اپنے ہی بستر پر لیٹا ہوتا ہے، اور نیند تو موت کی بہن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ”وفات“ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّ الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمُسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرِسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى...﴾

”اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی،

(۱) صحیح بخاری: کتاب الوضوء، باب ما جاء في غسل البول، حدیث نمبر: ۲۱۵۔

انھیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے۔
 انھیں توروک لیتا ہے اور دوسری (روحون) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے
 چھوڑ دیتا ہے۔۔۔” [سورہ زمر: ۳۲]

عقلی اعتبار سے اس کاروں سونے والا کبھی اپنے خواب میں واقع کے مطابق
 سچے خواب بھی دیکھتا ہے اور کبھی اصلی شکل و صورت میں نبی ﷺ کی زیارت
 بھی کر لیتا ہے، اور جس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے اوصاف کے مطابق
 دیکھا بلاشبہ اس نے آپ ہی کو دیکھا، حالانکہ سونے والا جسے خواب میں دیکھتا
 ہے، اس سے بہت دور اپنے کمرے کے بستر پر محو خواب ہوتا ہے۔ اگر یہ تمام
 چیزیں دنیاوی حالات میں ممکن ہیں تو احوال آخرت میں کیسے ناممکن ہو سکتی
 ہیں؟

جہاں تک ان کے اپنے اس دعوے پر اعتماد کا تعلق ہے کہ اگر قبر کو کھول
 کر مردے کی حالت کو دیکھا جائے تو وہ اسی حالت میں نظر آتا ہے جس میں وہ
 دفن کیا گیا تھا، نیز قبر میں کسی قسم کی کشادگی یا تنگی بھی نظر نہیں آتی، تو اس کا
 جواب کئی ایک طرح سے دیا جاسکتا ہے:

اول: شریعت میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا اس طرح کے باطل اور گمراہ

کن شبہات کے ذریعہ مقابلہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ ان شبہات کے ذریعہ شریعت پر اعتراض کرنے والا شخص اگر شریعت میں وارد نصوص و دلائل میں کما حقہ غور و فکر کرے تو اس پر ان شبہات کا بطلان واضح ہو جائے گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے (جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے):

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اپنے بیمار فہم و ادراک کی وجہ سے صحیح باتوں میں طعن و تشنج اور عیب جوئی کرتے ہیں۔

دوم: عالم برزخ کے احوال کا تعلق غیبی امور سے ہے، حس سے ان کا ادراک ممکن نہیں۔ اگر حس کے ذریعے سے ان کی حقیقت کا جاننا ممکن ہوتا تو ”ایمان بالغیب“ کا سرے سے کوئی فائدہ ہی باقی نہیں رہتا بلکہ اس طرح تو غیب پر ایمان لانے والے اور اس کا انکار کرنے والے، دونوں ہی برابر ہو جاتے۔

سوم: قبر میں عذاب و راحت یا کشادگی و تنگی کی کیفیات صرف میت ہی محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ان کیفیات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال بالکل اس شخص کے خواب کی سی ہے جو نیند کی حالت میں کوئی بے حد تنگ و تاریک اور وحشت ناک مقام، یا نہایت دلفریب اور کشادہ جگہ دیکھتا ہے، (اور خواب کے احوال کے مطابق غمگین یا خوش ہوتا ہے) لیکن

اس کے برعکس اس کے آس پاس کا ہر شخص ان تمام تر کیفیات سے پر بے خبر رہتا ہے۔ اس کی ایک اور واضح مثال یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی اور آپ اپنے صحابہ کے درمیان موجود ہوا کرتے تھے لیکن وحی کو صرف آپ ﷺ ہی سن پاتے تھے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ وحی سنائی ہی نہیں دیتی تھی۔ کبھی تو فرشتہ انسانی شکل میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے گفتگو بھی کرتا تھا لیکن صحابہ کرام نہ اس فرشتے کو دیکھ پاتے تھے اور نہ ہی اس کی باتیں سن پاتے تھے۔

چہارم: مخلوق کی قوتِ ادراک محدود ہے۔ چنانچہ انسان صرف اسی قدر کسی چیز کی حقیقت کو پاسکتا ہے جس قدر کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قوتِ ادراک دویعت فرمائی ہے۔ اس کے لیے ہر موجود شے کی حقیقت کو پاننا ممکن ہے۔ مثلاً اساتوں آسمان، زمین اور جو جو چیزیں ان میں موجود ہیں وہ سب حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان کرتی ہیں، اور کبھی کبھار اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے ان کی تسبیح و تحمید سنادیتا ہے، اس کے باوجود یہ سب کچھ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے:

(تَسْبِيحُ لَهُ الْسَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ...)

”ساقوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔۔۔“ [سورہ اسراء: ۲۳]

اسی طرح شیاطین و جن زمین پر ادھر ادھر چلتے پھرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جنوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئی، خاموشی سے آپ کی قراءت سنی اور مبلغ کی حیثیت سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئی اور وہ جماعت ان تمام چیزوں کے باوجود ہم سے پوشیدہ تھی، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(يَبْنِيَ ءَادَمَ لَا يَفْتَنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبْوَيْكُمْ مِنْ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيهِمَا سَوْءَاتِهِمَا إِنَّهُ وَيَرْكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ وَمِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطَانَ أُولَيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾)

”اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اُس نے

تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کر دیا ایسی حالت میں کہ اُن کا لباس بھی اترا وادیا تاکہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیںلاتے۔” [سورہ اعراف: ۲۷]۔ چنانچہ جب مخلوق ہر موجود شے کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی تو اس کے لیے غیب کے ثابت شدہ اور ناقابل ادراک امور کا انکار کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

* * *

تقدیر پر ایمان

”قدر“ (دال کے فتح کے ساتھ): تقدیر سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے علم اور حکمت کے مطابق ساری کائنات کا ان کے وجود سے پہلے اندازہ اور فیصلہ کرنا ہے۔

تقدیر پر ایمان چار امور پر مشتمل ہے:

اول: اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ہر چیز سے اجملا اور تفصیلا واقف ہے، چاہے اس کا تعلق خود اپنے افعال سے ہو، یا اپنے بندوں کے افعال و اعمال سے۔

دوم: اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لوح محفوظ (یعنی نوشتہ تقدیر) میں لکھ رکھا ہے۔ انھی دو امور کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧﴾)

”کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ یہ سب (لکھی ہوئی) کتاب میں (محفوظ) ہے۔ اللہ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے۔“ [سورہ حج: ۷۰]۔

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنًا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی لکھ دی تھیں۔“^(۱)

سوم: اس بات پر ایمان کہ پوری کائنات صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے وقوع پذیر ہے، خواہ اس کا تعلق خود باری تعالیٰ کے اپنے فعل سے ہو یا مخلوقات کے افعال و اعمال سے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فعل کے متعلق فرماتا ہے:

^(۱) صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حاج آدم و موسی علیہما السلام، حدیث نمبر: ۲۶۵۳۔

{وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ...}

”اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن کر مختار کر لیتا ہے...“

[سورہ فصل: ۶۸]۔ ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

{...وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ}

”— اور اللہ جو چاہے کر گزرے۔“ [سورہ ابراھیم: ۲۷]

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُ كُمْ فِي الْأَرْضِ كَيْفَ يَشَاءُ...}

”وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صور تین جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے---“

[سورہ آل عمران: ۶]۔

خلوقات کے افعال و اعمال کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{...وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَطْهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَتُلُوكُمْ...}

”... اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ

کرتے ...“ (سورہ نساء: ۹۰)۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

{...وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ}

”... اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افtra پردازی کر رہے ہیں، اُس کو آپ رہنے دیجیے۔“ [سورہ انعام: ۱۱۲]

چہارم: اس بات پر ایمان کہ پوری کائنات بشمول اپنی ذات، صفات اور حرکات سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کر دے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اللَّهُ خَلِقَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٤﴾)

”اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔“ [سورہ زمر: ۲۲]۔ ایک اور مقام پر اللہ پاک کا فرمان ہے:

(...وَخَلَقَ كُلِّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ وَتَقْدِيرًا)

”... اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرایا ہے۔“ [سورہ فرقان: ۲]۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

(وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٦﴾)

”حالانکہ تمھیں اور تمھاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“

[سورہ صافات: ۹۶]

پچھے ہم نے ”تقدیر پر ایمان“ کا جو وصف بیان کیا ہے وہ بندوں کے اختیاری افعال پر ان کو حاصل شدہ قدرت اور مشیت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ شریعت اور حقیقت دونوں ہی بندے کے لیے اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

شریعت سے ثبوت: مشیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ۚ...فَمَنْ شَاءَ أَتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَئَابًا۝

”۔۔۔ اب جو چاہے اپنے رب کے پاس (نیک اعمال کر کے) ٹھکانا بنالے۔“ [سورۃ نہایہ: ۳۹]۔ اور ایک جگہ ارشادِ الہی ہے:

{...فَأُتْوُا حَرَثَكُمْ أَنِّي شِئْتُمْ...}

”۔۔۔ اپنی کھتیوں میں جس طرح چاہو آؤ...“ [سورہ بقرہ: ۲۲۳]۔ اور مخلوق کی قدرت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا أَسْتَطِعْتُمْ وَأَسْمَعُوا وَأَطِيعُوا...)

”پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ...“ [سورہ تغابن: ۱۲]۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتُ وَعَلَيْهَا مَا أَكْتَسَبَتُ...)

”اللَّهُ كُسِي جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لیے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے...“ [سورہ بقرۃ: ۲۸۶]

امر واقع سے ثبوت: ہر انسان جانتا ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ مشیت اور قدرت ضرور حاصل ہے جس کی وجہ سے کسی کام کو کرنے یا چھوڑنے کا اسے اختیار ہے، اور وہ کسی فعل کے ”ارادی“ مثلاً چلنے اور ”غیر ارادی“ مثلاً کانپنے، میں فرق کرتا ہے، لیکن بندے کی مشیت اور قدرت، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت کے ہی تابع ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿٤٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٩﴾)

”(باخصوص) اُس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔ اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو رب العالمین چاہے۔“ [سورہ تکویر: ۲۸-۲۹]۔ چونکہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ لہذا اس کے دائرہ ملکیت میں کوئی چیز اس کے علم اور اس کی مشیت کے بغیر رونما نہیں ہو سکتی۔

”لقدیر پر ایمان“ کی جو تعریف ہم نے بیان کی ہے وہ کسی بندے کے لیے فرائض کو چھوڑنے یا نافرمانی کا ارتکاب کرنے کی دلیل نہیں بن سکتی، چنانچہ اس سے دلیل پکڑنا کئی اعتبار سے باطل ہے:

اول: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا ءَابَاؤُنَا وَلَا
حَرَّمَنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بِأَسْنَانًا
فُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَبَعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ
أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿٤٨﴾)

”یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی مکنذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کامزہ چکھا۔ آپ کہہ دیجیے: کیا تم ہمارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روپروظاہر کرو۔ تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل قیاس آرائی سے باتیں بناتے ہو۔“ [اسورہ انعام: ۱۳۸]

اگر ”لقدیر“ ان کے لیے جدت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کو اپنے

عذاب کامز انہ چکھاتا۔

دوم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لَئِلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ
بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٦٥﴾)

”ہم نے انھیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی جھٹ اور الزام رسولوں کے سمجھنے کے بعد اللہ پر رہنا جائے۔ اللہ بڑا غالب اور بڑا حکمت ہے۔“ [سورہ نساء: ۱۶۵]

اسی طرح اگر مخالفین کے لیے ”تقدیر“ دلیل ہوتی تو رسولوں کو سمجھ کر ان کی ”جھٹ“ کو باطل نہ ٹھہرایا جاتا کیونکہ پیغمبروں کو سمجھنے کے بعد اگر کوئی مخالفت واقع ہوئی تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ تقدیر کی بنیاد پر ہی واقع ہوئی۔

سوم: امام بخاری اور امام مسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور یہ الفاظ بخاری کے روایت کردہ ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا اللہ تعالیٰ نے جنت یا جہنم میں لکھ دیا ہے۔“ یہ سن کر صحابہ میں سے ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اسی پر بھروسہ نہ

کر لیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، عمل کرو کیوں کہ ہر ایک کے لیے وہ کام آسان بنادیا گیا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

(فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَأَنْتَقَى ﴿٦﴾)

”جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے)۔“ [سورہ لیل:-]

اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں: ”ہر ایک کے لیے وہ کام آسان بنادیا گیا ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔“^(۱) چنانچہ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور عمل کو چھوڑ کر صرف تقدیر ہی پر بھروسہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چہارم: بے شک اللہ تعالیٰ نے بندے کو اور پر عمل کرنے اور نوادی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کسی چیز کا

^(۱) صحیح بخاری: کتاب القدر، باب وکان امر اللہ قدر امقدور، حدیث نمبر: ۲۶۰۵، صحیح مسلم کتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن آمه وكتابة رزقه وأجله وعمله وشقاؤنه وسعادته، حدیث نمبر: ۲۶۳۷۔

”مکلف“ نہیں ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{فَاتَّقُواْ اللَّهَ مَا أَسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمَعُواْ وَأَطِيعُواْ...}

”پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ...“ [سورہ تغابن: ۱۶]۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

{لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا...}

”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا...“ [سورہ بقرۃ: ۲۸۶]۔ اگر بندہ کسی فعل کے انجام دہی پر مجبور ہوتا تو وہ ہر اس فعل کو انجام دینے کا بھی مکلف ہوتا کہ جس سے چھکارا پانے کی اس میں استطاعت نہیں ہے۔ لیکن یہ چیز باطل ہے، لہذا اگر کسی سے لا علمی، بھول چوک اور زور زبردستی کے سبب کسی معصیت کا کام سرزد ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہ ہو گا، کیونکہ وہ معدور ہے۔

پنجم: اللہ تعالیٰ نے ”تو شتہ تقدیر“ کو انتہائی پوشیدہ اور صیغہ راز میں رکھا ہے، چنانچہ جو چیز پہلے سے اندازہ کی جا چکی ہے اس کے رو نما ہونے کے بعد ہی اس کا علم ہوتا ہے۔ لیکن جب بندہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ پہلے سے جانتا ہے کہ وہ کس کام کا ارادہ رکھتا ہے، چنانچہ اس کے فعل کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق

اس کے علم پر مبنی نہیں ہوتا۔ یہ چیز نافرمانی کے کاموں پر تقدیر کو جھٹ بنانے کی نفی کرتی ہے، کیونکہ جس چیز کا علم ہی نہ ہو وہ کسی امر کے لیے دلیل کیسے بن سکتی ہے؟

ششم: ہم دیکھتے ہیں کہ انسان دنیاوی معاملات میں ہر پسندیدہ اور نفع بخش شے کا حریص ہوتا ہے، اور جب تک وہ اسے پانہ لے اس کا مقتني و متلاشی رہتا ہے۔ جب کہ ناپسندیدہ یا بے سود چیزوں کی طرف ہرگز نہیں پلٹتا، پھر اپنی اس کے روشن پر ”تقدیر“ سے دلیل پکڑتا ہے تو سوال یہ ہے کہ دینی امور میں اس کے لیے جو چیزیں نفع بخش ہو سکتی ہیں ان کو چھوڑ کر تکلیف دہ چیزوں کی طرف اس کا پلٹتا اور پھر اس پر ”تقدیر“ سے استدلال کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ کیا ان دونوں (دینی اور دنیاوی) امور کا معاملہ یکساں نہیں ہے؟

اس چیز کی مزیدوضاحت کے لیے ہم یہاں دو مثالیں پیش کرتے ہیں:

مثال (۱): اگر کسی انسان کے سامنے دوراستے ہوں، جس میں سے ایک راستہ کسی ایسے شہر کی طرف نکلتا ہو جہاں بد نظمی، قتل و غارت گری، لوٹ مار، عصمت دری، خوف وہر اس اور بھوک کاررواج ہو، اور دوسرا راستہ کسی ایسے شہر کی طرف جاتا ہو جہاں ہر طرف نظم و ضبط، امن و امان، عیش و آرام، آسودہ

حالي، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو، تو وہ کون سارا ستہ اختیار کرے گا؟

ظاہر ہے کہ وہ دوسرا ستہ ہی اختیار کرے گا جو ایک ایسے شہر پر جا کر ختم ہوتا ہے جہاں چاروں طرف امن و امان اور نظم و ضبط قائم ہو۔ کوئی بھی عقل مند شخص ”تقدیر“ کو جنت بنائے کسی ایسے شہر کا ستہ ہرگز نہیں اختیار کر سکتا جہاں بد نظمی، خوف و ہراس اور لوٹ مار ہو۔ تو جو شخص اخروی امور میں خود جنت کا ستہ چھوڑ کر جہنم کا ستہ اختیار کرے تو وہ کس طرح ”نوشہ تقدیر“ کو دلیل بناسکتا ہے؟

مثال (۲) : ہم دیکھتے ہیں کہ جب ڈاکٹر کسی مریض کو دو اپینے کا حکم دیتا ہے تو وہ اسے نہ چاہنے کے باوجود بھی پی لیتا ہے، اسی طرح جب وہ اسے کسی نقصان دہ غذا کے کھانے سے منع کرتا ہے تو وہ اسے چاہنے کے باوجود وہ غذا چھوڑ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مریض اپنی سلامتی اور شفا ہی کے لیے ہی ایسا کرتا ہے، چنانچہ ”نوشہ تقدیر“ کو دلیل بنائے کر ایسا ہر گز نہیں کرتا کہ اس ناپسندیدہ دوا کو اپینے سے باز رہے یا ان غذاؤں کو استعمال کرتا رہے جو کہ اس کے لیے نقصان دہ ہیں۔ چنانچہ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو چھوڑ کر جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے، انھیں اپناۓ اور پھر اس پر ”قدری“ سے دلیلیں لیتا پھرے؟

ہفتتم: ”تو شرطہ قدری“ کو دلیل بنانا کرواجبات کو چھوڑنے، یا معصیت کے کام کرنے والے شخص پر اگر کوئی دوسرا شخص ظلم و زیادتی کرے اور اس کے مال و اسباب چھین لے، یا اس کی عزت کو پامال کرے، اور پھر ”قدری“ سے دلیل پکڑتے ہوئے یہ کہے کہ مجھے ملامت مت کرو کیونکہ میرا ظلم و زیادتی تو محض اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر مبنی ہے، تو وہ اس کی اس دلیل کو قطعاً قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ جب وہ ”قدری“ کی دلیل کو اپنے اوپر کیے جانے والے کسی دوسرے شخص کے ظلم و زیادتی کے لیے قبول نہیں کرتا، تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض میں اپنی کوتاہی اور زیادتی پر کس طرح اسے دلیل بناتا ہے؟!

اس سلسلے میں ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک چور کا مقدمہ پیش ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ٹھہر جائیے، کیونکہ میں نے یہ چوری صرف اللہ تعالیٰ کی ”قضايا و قدر“ کی بنیاد پر کی ہے۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہم بھی تو تیر ہاتھ اللہ تعالیٰ کی ”قضايا

وقدر“ سے ہی کاٹ رہے ہیں۔“

تقدیر پر ایمان کے ثمرات:

اول: کسی ”سبب“ کو اختیار کرتے وقت اس سبب کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ”قضاء و قدر“ سے ہی ہوتی ہے۔

دوم: کسی مراد کے حصول کے وقت خود پسندی میں مبتلا نہ ہونا، کیونکہ مراد کا حاصل ہونا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے جسے باری تعالیٰ نے خیر و کامیابی کے اسباب کے نتیجے میں مقدر فرمایا ہے، چنانچہ انسان کا خود پسندی میں مبتلا ہونا اسے نعمت کے حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے غافل کر دیتا ہے۔

سوم: اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے مطابق جو کچھ بھی انسان پر گزرے اس پر مطمئن اور خوش رہنا، چنانچہ وہ کسی پسندیدہ چیز کے چھن جانے، یا کسی سختی سے دوچار ہونے، یا کسی ناپسندیدہ چیز کے واقع ہونے پر قلق و اضطراب کا شکار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک اور خالق ہے اور جو کچھ ”مقدر“ ہو چکا ہے وہ بہر صورت ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي
 كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ تَبَرَّأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٦﴾ لَكِيلًا تَأْسَوْا
 عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا أَتَيْتُكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
 فَخُورٍ ﴿٦٢﴾)

”نه کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔ تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اتر اجاوے، اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔“ [سورہ حمدید: ۲۲-۲۳]، نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”مُوْمِنٌ کَمَعْالَمَهُ كَتَنَا عَجِيبٌ هُنَّا۔ يَقِينًا مُوْمِنٌ کَمَ کَهْرَمَانٌ
 هُنَّا، اور یہ سعادت مُوْمِنٌ کے سوا اور کسی کو میسر نہیں ہے۔ چنانچہ اگر اسے کوئی خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ خوش حالی اس کے لیے باعث برکت و بھلائی بن جاتی ہے۔ اور اگر وہ کسی بد حالی اور تنگ دستی میں گرفتار ہوتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے تو وہ بد حالی اس کے لیے باعث

خیر و برکت بن جاتی ہے۔^(۱)

تقدیر کے بارے میں دو گروہ گمراہی کے شکار ہیں:

(۱) جبریہ: جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اپنے ہر عمل پر مجبور ہے، اس میں اس کے اپنے ارادہ اور قدرت کا کوئی دخل نہیں۔

(۲) قدریہ: جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اپنے ارادے اور قدرت کے ساتھ عمل میں خود مختار ہے اور اس کے عمل میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت کا کوئی اثر نہیں۔

جبریہ کا نظریہ شریعت اور امر واقع دونوں اعتبار سے مسترد ہے:

شرعی اعتبار سے: اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے ارادے اور مشیت کا اثبات کیا ہے نیز عمل کی نسبت بھی اسی کی طرف کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿...مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ...﴾

”— تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا

(۱) صحیح مسلم: کتاب الزحد والرقائق، باب المؤمن آمرہ کلہ خیر، حدیث نمبر: ۲۹۹۹۹۔

تھا۔۔۔” [سورہ آل عمران: ۱۵۲]، ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(وَقُلِ الْحُقُّ مِن رَبِّكُمْ فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكُفُرْ
إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا...)

”اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمھارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ خالموں کے لیے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قاتمیں انھیں گھیر لیں گی۔۔۔“ [سورہ کھف: ۲۹]، اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(مَنْ عَمِلَ صَلِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَمٍ
لِلْعَيْدِ (۶۵))

”جو شخص نیک کام کرے گا تو اپنے نفع کے لیے اور جو برا کام کرے گا اس کا وباں بھی اسی پر ہے۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“ [سورہ فصلت: ۳۶]۔

جبریہ کی تردید امر واقع کی روشنی میں: ہر انسان اپنے ”اختیاری افعال“ جن کو وہ اپنے ارادے سے کرتا ہے، مثلاً: کھانا پینا اور خرید و فروخت کرنا وغیرہ، اور ”غیر اختیاری افعال“ جو اس پر بغیر ارادہ کے واقع ہو جاتے ہیں، مثلاً: بخار کی

شدت سے اس کے جسم کا کانپنا، اور اوپر سے نیچے کی طرف گرنا، وہ ان دونوں کے درمیان فرق سے خوب اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ پہلی قسم کے افعال کی بجا آوری میں فاعل اپنے ارادے میں خود مختار ہوتا ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہوتا، لیکن دوسری قسم کے افعال میں کسی کام کے وقوع پذیر ہوتے وقت بندہ نہ مختار ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں اس کے ارادے کا کوئی دخل ہوتا ہے۔

قدریہ کا نظریہ شریعت اور عقل دونوں اعتبار سے مردود ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے اسی کی مشیت سے واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے کہ بندوں کے افعال صرف اسی کی مشیت سے واقع ہوتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿...وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أُقْتَلَ الْذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ أَخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ ءَامَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أُقْتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾

”۔۔۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آجائے کے بعد ہر گز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے، لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا، ان میں

سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر، اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔” [سورہ بقرۃ: ۲۵۳]، ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَلَوْ شِئْنَا لَأَنْهَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَنَّا وَلَكِنْ حَقَ الْقَوْلُ مِنِّي
لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْ أُلْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٣﴾)

”اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب فرمادیتے، لیکن میری یہ ہی بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سب سے پر کر دوں گا۔“ [سورہ سجدہ: ۱۳]۔

قدریہ کی تردید عقل کی روشنی میں: بے شک ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، چونکہ انسان بھی اسی کائنات کا ایک حصہ ہے، لہذا وہ بھی اللہ تعالیٰ کا غلام اور اُس کی ملکیت قرار پایا۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ”ملوک“ کے لیے مالک کے دائرہ ملکیت میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصرف کرنا ناممکن ہے۔

اسلامی عقیدے کے اهداف و مقاصد

هدف: لغت کے اعتبار سے ”هدف“ کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے جن میں دو حسب ذیل ہیں: ۱۔ وہ چیز جو سطح زمین سے بلند ہو اور نشانہ بازی کے لیے نصب کی جائے۔ ۲۔ ہر وہ شے جو مطلوب و مقصود ہو۔

اسلامی عقیدے کے اهداف و مقاصد: اسلامی عقیدے پر قائم رہنے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مہم بالشان اغراض و مقاصد کثیر تعداد میں ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف اقسام پر مشتمل ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

اول: نیت و عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا، کیونکہ وہی خالق ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ صرف اسی سے لوگانی جائے، اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

دوم: اسلامی عقیدے سے خالی دل میں پیدا ہونے والی ہر قسم کی بے راہ روی سے عقل و فکر کی آزادی، کیونکہ جس کا دل اس سے خالی ہو وہ یا تو ہر عقیدے سے محروم ہوتا ہے اور صرف حصی و مادی چیزوں کی ہی پر مستش کرتا ہے یا پھر عقائد کی گمراہیوں اور خرافات کا شکار ہو جاتا ہے۔

سوم: نفسیاتی اور فکری سکون، اسلامی عقیدے کا حامل شخص کسی نفسیاتی اور فکری بے چینی کا شکار نہیں ہوتا، کیونکہ یہ عقیدہ اُس کے اور اس کے خالق حقیقی کے درمیان ایک مضبوط تعلق اور رابطہ ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خالق کے رب، مدبر، حاکم اور قانون ساز ہونے پر راضی ہوتا ہے؛ لہذا اس کا دل اپنے رب کی قضاو قدر سے مطمئن ہوتا ہے اور اسے اسلام کی حقانیت کے بارے میں انتشار ح صدر حاصل ہو جاتا ہے، بنابریں وہ اسلام کا بدل تلاش نہیں کرتا۔

چہارم: اللہ تعالیٰ کی عبادت یا مخلوق کے معاملے میں ارادہ و عمل کے انحراف سے سلامتی اور حفاظت، کیونکہ رسولوں پر ایمان لانا اسلامی عقیدے کی ایک ایسی اساس ہے جو ارادہ و عمل میں انحراف سے محفوظ انبیاء و رسول کے طریقے کی پیروی کو شامل ہے۔

پنجم: جملہ امور میں چنگی، سنجیدگی اور خوش بختی کیونکہ مومن ثواب حاصل کرنے کے لیے عمل صالح کا کوئی بھی موقع ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح عذاب کے خوف سے وہ اپنے آپ کو گناہ کے موقع سے بھی دور رکھتا ہے، کیونکہ اس عقیدے کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ انسان کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور ہر اچھے برے اعمال کی جزا پانے پر ایمان لا یا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(وَلِكُلٍّ دَرَجَتٌ مِمَّا عَمِلُواْ وَمَا رَبُّكَ بِعَفْلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٢﴾)

”اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے سبب درجے ملیں گے اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔“ [سورہ انعام: ۱۳۲]۔ اس مقصد کے حصول کے لیے نبی ﷺ نے کس قدر ترغیب دی ہے، ملاحظہ کریں: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک مصبوط مومن، کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور پیارہ ہے۔ اور ہر مومن میں بہتری اور بھلائی ہے، اس چیز کی حرص کرو جو تجوہ کو نفع دے اور (اس کے لیے) اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، اور عاجز نہ بنو۔ اور اگر تم کو کوئی چیز حاصل ہو تو یوں مت کوہ کہ اگر میں نے فلاں کام یوں کیا ہوتا تو اس سے مجھے فلاں فلاں فائدہ حاصل ہوتا بلکہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے (یوں ہی) مقدر کیا تھا اور جو چاہا کر دکھایا۔ کیونکہ ”اگر“ کا لفظ شیطان کے کام (کا دروازہ) کھولتا ہے۔“ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔^(۱)

ششم: دینِ اسلام اور اس کے ستونوں کو پختہ اور ٹھوس بنانے کے لیے

(۱) صحیح مسلم: کتاب القدر، باب فی الامر بالقوة، وترك الحجز، والاستغاثة بالله، وتفويض المقادير لله، حدیث نمبر: ۲۲۲۳۔

ایک ایسی مضبوط امت کی تشکیل کرنا جو اس کی خاطر ہر قسم کی قربانی پیش کرے اور اس کی راہ میں جو مصیبیں بھی آئیں ان کی قطعاً پرواہ نہ کرے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ ءَامَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَأُبُوا وَجَاهُدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الْصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾)

”مو من تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لا کیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچ اور راست گو ہیں۔“ [سورہ حجرات: ۱۵]

ہفتہم: انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے ذریعے دنیا و آخرت کی سعادت، اجر و ثواب اور (اللہ تعالیٰ) سے انعام و اکرام حاصل کرنا، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْكِيَنَّهُ وَ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٧﴾)

”جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن با ایمان ہو تو ہم اسے یقیناً

نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدله بھی انھیں ضرور ضرور دیں گے۔ ”سورہ نحل: ۹۷۔

یہ اسلامی عقیدہ کے چند اهداف و مقاصد ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعاً گو ہیں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ان مقاصد سے بہرہ ور فرمائے۔ وہ نہایت کرم و بخشنش والا اور بہت ہی سخنی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

درود و سلام نازل ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر۔

یہ کتاب مولف کے قلم سے پایہ تکمیل کو پہنچی
محمد بن صالح العثیمین

فہرست

۲	مقدمہ
۵	دین اسلام
۱۳	ارکان اسلام
۱۸	اسلامی عقیدے کی بنیاد
۱۹	اللہ تعالیٰ پر ایمان
۲۵	فرشتوں پر ایمان
۵۳	کتابوں پر ایمان
۵۶	رسولوں پر ایمان
۶۹	یوم آخرت پر ایمان
۹۸	تقدیر پر ایمان
۱۱۷	اسلامی عقیدے کے اہداف و مقاصد



لِسَالَّةِ الْحَرَامِ

حد میں کا پیغام

مسجد حرام اور مسجد نبوی کے زائرین کے لیے
مختلف زبانوں میں رہنمائی کرنے والی شرعی کتابیں



978-603-8452-84-4